بسم اللہ الرحمن الرحیم
اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ

نضر اللہ امرءًا سمع منا حدیثًا فحفظہ حتی یبلغہ

ماھنامہ
اشاعة الحدیث
حضرو

بانی
محدث العصر
حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

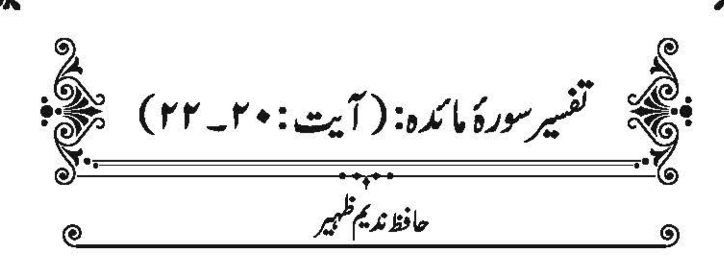
- حسن خاتمہ کی علامتیں
- راہ فلاح: تقلید یا اتباع
- فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم
- حفاظت حدیث کا وعدہ الٰہی
- غیر ثابت قصے
- دو خوش نصیب

مستقل سلسلے ‹ ٥ احسن الحدیث ٥ فقہ الحدیث ٥ توضیح الاحکام





مکتبة الحدیث،حضرو



تفسیر سورۂ مائدہ: (آیت: ۲۰-۲۲)

حافظ ندیم ظہیر

﴿وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ○ قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖۗ وَ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ﴾ (٥/ المائدة: ٢٠-٢٢)

"اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو جب اس نے تم میں انبیاء بنائے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ کچھ عطا کیا جو جہانوں میں سے کسی کو نہیں دیا، اے میرے قوم! اس مقدس زمین میں داخل ہوجاؤ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور اپنی پشت پر نہ پھر جاؤ ورنہ خسارہ اٹھانے والے ہو کر لوٹو گے۔ انہوں نے کہا: اے موسیٰ! بلاشبہ اس میں ایک زبردست (زور آور) قوم ہے، ہم ہرگز اس میں داخل نہ ہوں گے حتی کہ وہ اس سے نکل جائیں، اگر وہ اس سے نکل جائیں تو ہم ضرور داخل ہونے والے ہیں۔"

فقہ القرآن

﴿وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ﴾ یہاں اللہ رب العزت کی طرف سے وضاحت ہے کہ ان (مشرکین مکہ) کے اکابر نے بھی موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی اور سرکشی اختیار کی، اب وہی سلوک یہ سیدنا محمد ﷺ کے ساتھ بھی کر رہے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ کو تسلی دینا مقصود

ہے، یعنی اے ایمان والو! اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور موسیٰ (علیہ السلام) کے واقعہ کو یاد کرو۔

(تفسیر طبری: ٤/ ٤٤٥؛ الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ٧/ ٣٩٢)

بعض علماء کے نزدیک اس کا تعلق آیت: ﴿وَ لَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ﴾ (المائدة: ١٢) کے ساتھ ہے، یعنی ان سے عہد لیا اور موسیٰ علیہ السلام نے انہیں انعاماتِ الٰہی یاد کرا کے جبارین سے جنگ کا حکم دیا، لیکن بنی اسرائیل نے عہد شکنی کی، دیکھئے: اشرف الحواشی (ص: ۱۳۴)

﴿يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ﴾ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر بہت سے انعامات فرمائے ہیں جن میں سرفہرست انبیاء علیہم السلام کا تسلسل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس قوم میں بہت سے نبی پیدا کیے، ابراہیم، اسحاق، اسماعیل، یعقوب اور موسیٰ علیہم السلام اسی سلسلۃ الذهب کا حصہ ہیں اور یہ سب انہیں دعوتِ توحید و اتباع دیتے رہے۔ یہی وہ نعمتیں ہیں جن کی یاد دہانی کرائی جا رہی ہے۔

﴿وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا﴾ یعنی پہلے بنی اسرائیل فرعون کی غلامی میں تھے، اب آزاد ہیں اور آزادی سے بڑھ کر کیا سلطنت ہو گی؟

جمہور مفسرین کے نزدیک "ملک" سے مراد گھر بار اور گزر بسر کی اشیاء ہیں جس کی تائید صحیح احادیث و آثار سے بھی ہوتی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے کسی آدمی نے پوچھا: کیا ہم فقراء مہاجرین میں سے نہیں ہیں؟ عبداللہ (رضی اللہ عنہ) نے اس سے فرمایا: کیا تمہاری بیوی ہے جس کے پاس تم آرام کی غرض سے جاتے ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: پھر تم اغنیاء میں سے ہو۔ اس نے کہا: میرے پاس تو خادم بھی ہے۔ آپ نے فرمایا: "فَأَنْتَ مِنَ الْمُلُوكِ" پس تم بادشاہوں میں سے ہو۔ (صحیح مسلم: ۲۹۷۹/ ۳۷)

سیدنا محصن انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے جو شخص اس حال میں صبح کرے کہ اسے جسمانی طور پر عافیت ہو، اپنے بارے میں

مکتبة الحدیث،حضرو

امن میں ہو اور اس دن کی خوراک بھی میسر ہو تو گویا اس کے لیے پوری دنیا جمع کر دی گئی ہے۔" (سنن الترمذی: ٢٣٤٦؛ سنن ابن ماجه: ٤١٤١؛ وهو حسن)

﴿وَاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ امام بغوی رحمہ اللہ نے فرمایا: "عَالَمِي زَمَانِكُمْ" تمہارے دور کے لوگوں میں سے۔" (تفسیر بغوی: ١/ ٦٥٦)

یعنی تمہارے دور کے لوگوں میں سے تمہیں وہ کچھ دیا جو اور کسی کو نہیں دیا، مثلاً: دریائے قلزم سے پار اتارنا، فرعون کو اس کے لشکر سمیت تمہارے سامنے غرق کر دینا، پتھر سے پانی کے بارہ چشمے نکالنا، ابر کا سایہ کرنا اور کھانے کو من سلویٰ دینا، یہ سب بنی اسرائیل سے پہلے کسی کو عطا نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ نعمتیں یاد دلائیں جو ایمان اور اس کے ثبات، جہاد پر ان کی ثابت قدمی اور جہاد کے لیے آگے بڑھنے کی موجب ہیں۔ اس آیت میں یا دیگر آیات (البقرة: ٤٧؛ الجاثية: ١٦) میں بنی اسرائیل کی فضیلت کا جو تذکرہ ہے اس سے محض مراد "اس وقت کے تمام لوگوں پر فوقیت وفضیلت ہے۔"

جمہور مفسرین کے نزدیک آیت: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ﴾ (آل عمران: ١١٠)

اور آیت: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (بقرہ: ١٤٣) کی رُو سے تمام جہانوں پر فضیلت امت محمدیہ (ﷺ) کو عطا کر دی گئی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر طبری (٤/ ٤٥) وتفسیر ابن کثیر: (٣/ ٦٩، ٧٠) وغیرہ۔

﴿يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ امام قتادہ رحمہ اللہ ﴿الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "هِيَ الشَّامُ" یعنی وہ مقدس زمین شام ہے۔ (تفسیر طبری: ٤/ ٤٥؛ وسنده حسن) موسیٰ علیہ السلام انہیں نعمتیں یاد دلا کر ارضِ مقدسہ (شام) کی طرف چلنے کا حکم دے رہے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ یہ تمہارے گھر ہیں۔ (تفسیر بغوی: ١/ ٦٥٧)

﴿وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ﴾ ارض مقدسہ پہنچ جانے کے بعد واپس نہ لوٹو، یہ حکم الٰہی کی صریح نافرمانی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تم خسارہ پانے والے ہو جاؤ، اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل نہ کرنے اور اپنے شہروں کو فتح نہ کرنے کی بنا پر تم دنیا میں بھی خسارہ اٹھاؤ گے اور نافرمانی کی وجہ سے آخرت میں بھی اجر سے محروم اور عذاب کے حقدار بن جاؤ گے۔

﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ﴾ امام بغوی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ انہوں نے اس وقت کہا، جب نقباء خبروں کے تجسس کے لیے نکلے، پھر جو انہوں نے دیکھا اس کی خبر موسیٰ علیہ السلام کو دی۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا: تم اس معاملے کو چھپا لو اور لشکر میں سے کسی کو نہ بتاؤ، کہیں وہ کمزور نہ پڑ جائیں (لیکن) دو آدمیوں کے علاوہ سب نے اپنے قریبی اور چچا زاد کو بتا دیا۔ جن دو آدمیوں نے موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی پاسداری کی ان میں سے ایک یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف اور دوسرے کالب بن یوقنا تھے، چنانچہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت یہ معاملہ جان چکی تھی تو انہوں نے بلند آواز سے آہ وبکا کی اور کہنے لگے: ہائے ہماری مصر کی زمین! کیا ہم اس جنگل میں مر جائیں گے؟ اور اللہ ہمیں ان کی سرزمین میں داخل نہیں کرے گا، ہماری عورتیں، اولاد اور ہمارا مال ان کے لیے غنیمت بن جائے گا اور آدمی اپنے ساتھی سے کہنے لگا: آؤ ہم اپنا سامان اٹھالیں اور مصر کی طرف چل دیں، پس آیت: ﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ﴾ میں انہیں کے بارے میں خبر دی ہے۔ جبّار کی اصل ہے کہ بزرگ وبرتری والی ذات جو قہر سے ممتنع ہو...... اس قوم کو جبار بن کا نام ان کے لمبے قد اور قوی جسموں کی وجہ سے دیا گیا اور وہ عمالقہ اور قوم عاد کے بچ جانے والے لوگوں میں سے تھے۔

(تفسیر بغوی: ١/ ٦٥٧)

﴿وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ﴾ ان کا یہ کہنا بزدلی، قلت یقین اور اپنی مرعوبیت کا اظہار ہے، اسی لیے یہ تقاضا کر رہے ہیں کہ اگر آپ انہیں معجزانہ طور پر اس سرزمین سے نکال دیں تو ہم جانے کو تیار ہیں۔

اضواء المصابیح

تحقیق وتخریج: حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ   ترجمہ وفوائد: حافظ ندیم ظہیر

الفصل الثانی

٥١٩: عَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ رَخَّصَ لِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیَهُنَّ، وَلِلْمُقِیْمِ یَوْمًا وَلَیْلَةً، اِذَا تَطَهَّرَ فَلَبِسَ خُفَّیْهِ اَنْ یَمْسَحَ عَلَیْهِمَا، رَوَاهُ الْاَثْرَمُ فِیْ سُنَنِهٖ وَابْنُ خُزَیْمَةَ، وَالدَّارَ قُطْنِیُّ، وَقَالَ الْخَطَّابِیُّ: هُوَ صَحِیْحُ الْاِسْنَادِ، هٰکَذَا فِی الْمُنْتَقٰی

سیدنا ابوبکرہ (رضی اللہ عنہ) نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے مسافر کو تین دن رات اور مقیم کو ایک دن رات مسح کرنے کی اجازت دی، بشرطیکہ اس نے حالتِ وضو میں موزے پہنے ہوں۔ اسے اثرم نے اپنی سنن میں اور ابن خزیمہ ودارقطنی نے روایت کیا ہے۔ خطابی نے کہا: وہ (حدیث) صحیح الاسناد ہے، منتقی میں (بھی) اسی طرح ہے۔

تحقیق الحدیث: اسنادہ حسن۔

تخریج: صحیح ابن خزیمة: ١/ ٩٦ ح ١٩٢؛ سنن الدارقطنی: ١/ ١٩٤؛ سنن ابن ماجه: ٥٥٧ منتقی الأخبار: ٣٠٥؛ نیل الاوطار: ١/ ٢٨٢؛ اثرم کا حوالہ نہیں ملا۔

فقہ الحدیث:

(١) موزوں یا جرابوں پر مسح کے لیے ضروری ہے کہ انھیں حالتِ وضو میں پہنا ہو۔

(٢) مسافر تین دن رات اور مقیم ایک دن رات تک مسح کر سکتا ہے۔

(٣) جرابوں پر مسح کے دلائل کے لیے دیکھئے حدیث سابق: ٥١٧۔

٥٢٠: وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَأْمُرُنَا اِذَا کُنَّا سَفَرًا اَنْ لَّا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیَهُنَّ اِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ، وَّلٰکِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَّنَوْمٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ النَّسَائِیُّ۔

سیدنا صفوان بن عسال (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: جب ہم لوگ مسافر ہوتے تو رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم تین دن رات تک موزے نہ اتاریں، الا یہ کہ جنبی ہوجائیں، لیکن قضائے حاجت (بول و براز) اور نیند کی وجہ سے اتارنے (کی ضرورت) نہیں۔

تحقیق الحدیث: اسنادہ حسن۔

تخریج: سنن الترمذی: ٩٧؛ وقال: "حدیث صحیح" سنن النسائی: ١/ ٨٣، ٨٤ ح: ١٢٧۔

فقہ الحدیث:

(١) جنابت کے علاوہ قضائے حاجت اور نیند کی صورت میں موزے یا جرابیں اتارنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(٢) اس حدیث سے علماء کی ایک جماعت نے استدلال کیا ہے کہ نیند ناقضِ وضو ہے، چنانچہ امام ابن منذر رحمہ اللہ نے فرمایا: حدیث صفوان بن عسال (رضی اللہ عنہ) سے واضح ہے کہ ہر نیند کرنے والے پر وضو واجب ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بول وبراز کے ساتھ نیند کا تذکرہ فرمایا، اور اہل علم کا اتفاق ہے کہ بول وبراز ناقضِ وضو ہیں۔ (الاوسط: ١/ ٢٥١)

☆ امام بغوی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس حدیث میں دلیل ہے کہ نیند حدث (ناقضِ وضو) ہے۔ (شرح السنة: ١/ ٢٦١)

☆ حافظ ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا: نیند کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی ہے، چنانچہ اس کی

ابتدا اونگھ ہے جو نیند کے شروع میں ہوتی ہے۔ بلاشبہ اس دوران میں اگر آدمی سے بات کی جائے وہ سنتا ہے، اگر بے وضو ہو جائے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے، الاّ یہ کہ (غلبہ نیند کی وجہ سے) مکمل جھکاؤ ہو، اور اس کی انتہا یہ ہے کہ عقل زائل ہو جائے۔ بلاشبہ اس حالت میں اگر وہ بے وضو ہو جائے تو اسے علم نہ ہو سکے گا۔ اگر گفتگو کی جائے تو اسے سمجھ نہ سکے گا۔ پس اونگھ سے وضو واجب نہیں ہوتا، اگرچہ کم ہو یا زیادہ اور اونگھنے والا کسی بھی حالت میں ہو، البتہ نیند کی وجہ سے وضو واجب ہو جاتا ہے، خواہ جس بھی حالت میں نیند آئے۔ (صحیح ابن حبان:۳/ ۳۸۳، طبع الرسالة)

☆ بعض احادیث میں نماز سے پہلے (نیند) سونے کا ذکر ہے، لیکن بیدار ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وضو کیا یا نہیں؟ اس کا تذکرہ نہیں ہے۔ دیکھئے صحیح البخاری (۵۷۰) صحیح مسلم (۶۳۹) سنن ابی داود (۱۹۹) وغیرہ، لہٰذا اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ نیند ناقضِ وضو نہیں محل نظر ہے، اور جن احادیث (صحیح مسلم: ۳۷۶) میں نیند کے بعد وضو نہ کرنے کا ذکر ہے تو اس کی توجیہ دیگر احادیث سے ہوتی ہے کہ اس سے مراد اونگھ ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود (۲۰۰، ۲۰۱) وغیرہ۔

☆ بعض اہل علم کے نزدیک بیٹھے بیٹھے نیند آ جانے میں کوئی حرج نہیں، البتہ لیٹ کر سونے سے دوبارہ وضو کرنا واجب ہے۔ دیکھئے شرح السنة (۱/ ۲۶۲) السنن الکبریٰ للبیہقی (۱۱۹۱، ۱۲۰) وغیرہ۔

☆ علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حق یہی ہے کہ نیند مطلق ناقض وضو ہے اور حدیث صفوان کو مقید کرنے کی کوئی قوی دلیل نہیں بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کی تائید کرتی ہے کہ آپ نے ہر سونے والے فرد کو حکم دیا کہ وہ وضو کرے۔

(تمام المنة ص: ۱۰۰)

۵۲۱: وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: وَضَّأْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ، فَمَسَحَ اَعْلَى الْخُفِّ وَاَسْفَلَهٗ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ، وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَهَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ: هٰذَا الْحَدِيْثُ مَعْلُوْلٌ وَسَأَلْتُ اَبَازُرْعَةَ وَمُحَمَّدًا۔ يَعْنِي الْبُخَارِيَّ، عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ، فَقَالَا: لَيْسَ بِصَحِيْحٍ، وَكَذَا ضَعَّفَهٗ اَبُوْدَاوُدَ۔

سیدنا مغیرہ بن شعبہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے غزوہ تبوک کے موقع پر نبی ﷺ کو وضو کرایا۔ آپ نے موزے کے اوپر اور نیچے (دونوں حصوں پر) مسح کیا۔ اسے ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے کہا: یہ حدیث معلول ہے اور میں نے ابوزرعہ اور محمد (بن اسماعیل) البخاری سے اس روایت کے متعلق پوچھا تو دونوں نے فرمایا: (یہ حدیث) صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح ابوداود نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اسنادہ ضعیف

تخریج: سنن أبي داود: ١٦٥؛ سنن الترمذی: ٩٧؛ سنن ابن ماجه: ٥٥٠

ثور نے رجاء سے نہیں سنا اور جس میں سماع کی صراحت ہے وہ روایت ضعیف ہے، نیز رجاء نے کاتب المغیرہ رضی اللہ عنہ سے بھی نہیں سنا۔

۵۲۲: وَعَنْهُ، اَنَّهٗ قَالَ: رَاَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ عَلٰى ظَاهِرِهِمَا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ

انہی (مغیرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو موزوں کے اوپر والے حصے پر مسح کرتے دیکھا۔ اسے ترمذی اور ابوداود نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اسنادہ حسن۔

تخریج: سنن الترمذی: ٩٨ وقال: "حسن" سنن ابی داود: ١٦١

فقہ الحدیث:

(۱) جرابوں یا موزوں کے اوپر والے حصے پر ہی مسح کرنا مسنون ہے، نیز دیکھئے حدیث: ۵۲۵۔

۵۲۳: وَعَنْهُ قَالَ: تَوَضَّأَ النَّبِيُّ ﷺ وَمَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ

اورانہی (مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ) کا بیان ہے، نبی ﷺ نے وضو کیا تو جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا۔ اسے احمد، ترمذی، ابوداود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: سندہ ضعیف۔

تخریج: مسند احمد: ۴/ ۲۵۲ ح ۱۸۳۹۳؛ سنن الترمذی: ۹۹؛ وقال: ''حسن صحیح'' سنن ابی داود: ۱۵۹؛ سنن ابن ماجہ: ۵۵۹؛ سفیان ثوری مشہور مدلس ہیں اور یہ روایت عن سے ہے، البتہ اجماع صحابہ سے اس کی تائید ہو رہی ہے۔

الفصل الثالث

۵۲۴: عَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ: مَسَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْخُفَّيْنِ، فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَسِيْتَ؟ قَالَ: ((بَلْ أَنْتَ نَسِيْتَ، بِهٰذَا أَمَرَنِيْ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ)). رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ.

سیدنا مغیرہ (رضی اللہ عنہ) کا بیان ہے، رسول اللہ ﷺ نے موزوں پر مسح کیا تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ بھول گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''بلکہ تم بھول گئے ہو، مجھے میرے رب نے اسی طرح کرنے کا حکم دیا ہے۔'' اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اسنادہ ضعیف

تخریج: مسند احمد: ۴/ ۲۵۳ ح ۱۸۴۰۷؛ سنن ابی داود: ۱۵۷، بکیر بن عامر جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔

۵۲۵: وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ قَالَ: لَوْكَانَ الدِّيْنُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ أَسْفَلُ الْخُفِّ أَوْلٰى بِالْمَسْحِ مِنْ أَعْلَاهُ، وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَمْسَحُ عَلٰى ظَاهِرِ خُفَّيْهِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَلِلدَّارِمِيِّ مَعْنَاهُ.

سیدنا علی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: اگر دین کا معاملہ رائے (وعقل) پر مبنی ہوتا تو موزوں کے نچلے حصے پر مسح کرنا، اوپر والے حصے پر مسح کرنے سے زیادہ بہتر تھا (لیکن) بلاشبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو موزوں کے اوپر والے حصے پر مسح کرتے دیکھا ہے۔ اسے ابوداود نے روایت کیا اور دارمی میں بھی اسی معنی کی روایت ہے۔

تحقیق الحدیث: سندہ ضعیف

تخريج: سنن أبي داود: ١٦٢؛ سنن الدارمي: ١/ ١٨١ ح ٧٢١؛ أبواسحاق السبيعي عنعن.

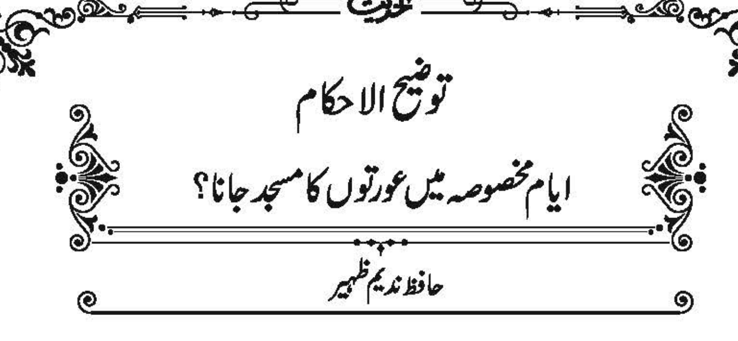
فائدہ:

مسند حمیدی (۴۷) میں صحیح سند کے ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اسی مفہوم کا قول مروی ہے جس سے کتاب وسنت کے مقابلے میں رائے اور عقل کے گھوڑے دوڑانے والوں کا شدید رد ہوتا ہے۔

مسواک کی اہمیت

عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((السِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ، مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ)) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسواک منہ کی صفائی اور رب تعالیٰ کی رضامندی کا ذریعہ ہے۔''

سنن النسائی:۵ وسندہ حسن۔



توضیح الاحکام

ایام مخصوصہ میں عورتوں کا مسجد جانا؟

حافظ ندیم ظہیر

سوال کیا عورت ایام مخصوصہ میں تعلیم و تربیت کے لیے مسجد جا سکتی ہے؟ میں آپ کو ایک کتاب بھیج رہی ہوں جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ عورت ان دنوں میں بھی مسجد جا سکتی ہے، اس سلسلے میں صحیح صورت کیا ہے؟ واضح کر دیں۔ (ایک بہن، اسلام آباد)

جواب آپ کی ارسال کردہ کتاب مجھے بروقت مل گئی تھی لیکن بوجوہ جواب لکھنے میں تاخیر ہو گئی۔ بہر حال توفیق باری تعالیٰ سے آپ کے سوال کا جواب پیشِ خدمت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نماز کے قریب نہ جاؤ اس حال میں کہ تم نشے میں ہو حتیٰ کہ تم جانو جو کچھ کہتے ہو اور نہ اس حال میں کہ جنبی ہو، سوائے راستہ عبور کرنے والے، یہاں تک کہ غسل کر لو۔" (4/النسآء:43)

﴿ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ ﴾ کی تفسیر میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: (جنبی حضرات مسجد میں) ٹھہرے بغیر اگر گزرنا چاہیں تو گزر سکتے ہیں۔

(تفسیر ابن أبي حاتم 3/960 وسندہ حسن)

مذکورہ اثر کی سند میں ایک راوی ابوجعفر الرازی ہیں جن پر صاحبِ کتاب محترم عبداللہ بن احمد الاریانی حفظہ اللہ نے اعتراض کر کے انھیں ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

(الفائض ص68)

حالانکہ ابوجعفر صدوق حسن الحدیث راوی ہیں جن کی مختصر توثیق درج ذیل ہے:

ابوجعفر الرازی عیسیٰ بن ماہان:

١: امام ابن سعد نے فرمایا: "وَ كَانَ ثِقَةً" (الطبقات الکبریٰ: 267/7)

٢: امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: "ثِقَةٌ" (تاریخ ابن معین، روایة الدوري: 358/4)

٣: امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا: "ثِقَةٌ صَدُوْقٌ" (الجرح والتعدیل: 281/6)

٤: امام ابن عدی نے ان کی احادیث کو "صَالِحَةٌ مُسْتَقِیْمَةٌ" قرار دیا اور ان سے متعلق "لَا بَأْسَ بِهٖ" کہا ہے۔ (الکامل لابن عدي: 251/8)

٥: حافظ ابن حجر نے فرمایا: "صَدُوْقٌ" (التقریب: 8019)

٦: حافظ ہیثمی نے فرمایا: "ثِقَةٌ" (مجمع الزوائد: 218/7)

٧: حافظ بوصیری نے ان کی روایت کے بعد: "رُوَاتُهٗ ثِقَاتٌ" لکھا ہے۔ (اتحاف الخیرة المهرة: 6/164)

٨: امام ابن خزیمہ (998,1479)

٩: امام ابوعوانہ (1549)

١٠: امام حاکم (المستدرک 2/10،9)

١١: حافظ ذہبی (حوالہ مذکورہ)

١٢: امام بغوی (شرح السنۃ 5/272،8/228)

١٣: حافظ ضیاء الدین المقدسی (المختارة: 1141)

١٤: امام ابو القاسم الحنائی (فوائد الحنائي 2/1102) وغیرہم نے ابوجعفر الرازی کی حدیث کو صحیح یا حسن قرار دے کر ان کی توثیق فرمائی ہے، جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ابوجعفر مذکور جمہور کے نزدیک صدوق وحسن الحدیث ہیں۔ والحمدللہ

درج بالا آیت سے صحابی رسول سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی استنباط کیا ہے کہ جنبی اور حائضہ مسجد سے محض گزر سکتے ہیں وہاں باقاعدہ ٹھہر نہیں سکتے۔ یہی موقف امام

قرطبی رحمہ اللہ اور جمہور مفسرین کا ہے۔ دیکھئے الجامع لأحکام القرآن (344/6) وغیرہ۔

ایک اعتراض اور اس کی حقیقت

صاحبِ کتاب نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ہی ایک اثر پیش کیا ہے کہ ان کے نزدیک آیتِ مذکورہ سے مراد "مسافر" ہے اور اسی کو صواب قرار دیا ہے۔
(الفائض ص67)

ہمارے نزدیک یہ اثر سعید بن ابی عروبہ اور قتادہ کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔
دیکھئے الأوسط لابن المنذر (2/231) وغیرہ۔

علاوہ ازیں اس سلسلے میں سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا قول بھی ہے، لیکن وہ سفیان الثوری کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ دیکھئے تفسیر طبری (3/ 850)

اس کے برعکس بہت سے اسلاف اس کی تفسیر مسجد میں سے گزرنا ہی کرتے ہیں، چنانچہ عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ آیت: ﴿وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "اَلْجُنُبُ يَمُرُّ فِي الْمَسْجِدِ" یعنی جنبی حضرات مسجد میں سے گزر سکتے ہیں۔ (مصنف ابن أبي شيبة 1/147 وسنده صحيح)

ابراہیم النخعی فرماتے ہیں: جنبی (وغیرہ) صرف اسی صورت میں مسجد سے گزر سکتے ہیں جب اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ ہو۔
(مصنف ابن أبي شيبة 1/146 وسنده صحيح)

آیت مذکورہ کی جو تفسیر ہم نے سلف صالحین سے پیش کی ہے اس کی تائید صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ وللہ الحمد

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
«وَجِّهُوْا هٰذِهِ الْبُيُوْتَ عَنِ الْمَسْجِدِ فَاِنِّيْ لَا اُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَ لَا جُنُبٍ»
"ان گھروں (کے دروازوں) کو مسجد کی طرف سے ہٹا دو کیونکہ میں مسجد

کو حائضہ عورت یا کسی جنبی کے لیے حلال نہیں سمجھتا۔"
(سنن أبي داود:232 وسنده حسن، و صححه ابن خزيمة:1327)

تنبیہ: اس حدیث کی راویہ جسرة بنت دجاجة : صدوقة حسنة الحديث ہیں، انھیں امام عجلی (تاریخ الثقات:2087) اور ابن حبان (کتاب الثقات 121/4) نے ثقہ قرار دیا ہے۔

امام ابن خزیمہ، امام حاکم اور امام ذہبی نے تصحیح حدیث کے ذریعے سے توثیق کی ہے، اسی طرح حافظ ہیثمی اور علامہ بوصیری نے ان کی روایت کے بعد: "وَ رِجَالُهُ ثِقَاتٌ۔" کہا ہے۔ دیکھئے اتحاف الخیرة المهرة للبوصيري (376/4) و مجمع الزوائد (273/2) پس حدیث مذکورہ کی سند حسن ہے اور اس پر تمام اعتراضات باطل و مردود ہیں۔ یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ جنبی اور حائضہ کے لیے مسجد میں باقاعدہ ٹھہرنا ممنوع ہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے فرمایا: حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی رُو سے جمہور اہل علم کے نزدیک (جنبی اور حائضہ کا) مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں ہے۔ (تفسیر بغوی: 1/532)

قرآن، حدیث اور اسلاف کے واضح مفہوم کے بعد بعض سلف کے اقوال وافعال کو لاعلمی یا اجتہادی سہو پر محمول کیا جائے گا۔ واللہ اعلم

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کا فیصلہ

امام ابن جریر رحمہ اللہ دونوں طرح کے دلائل نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"دونوں قولوں میں سے پہلا قول ہی راجح ہے، یعنی حالتِ جنابت میں مسجد سے کسی ضرورت کے تحت ہی گزرا جائے بصورت دیگر نہیں، کیونکہ پانی نہ ملنے پر مسافر کے لیے علیحدہ سے حکم موجود ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ...﴾ لہٰذا اگر ﴿وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا﴾ سے مراد بھی مسافر ہوتا تو ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْ عَلٰى

سَقَرٍ﴾ کا تکرار نہ ہوتا۔'' (تفسیر طبري 854/3)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''وہ (امام ابن جریر رحمہ اللہ) جس قول کی تائید کر رہے ہیں، جمہور (اہل علم) کا بھی یہی قول ہے اور آیت سے بھی یہی ظاہر ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے اس ناقص حالت میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے جو مقصود نماز کے خلاف ہو، اسی طرح نماز کی جگہ، یعنی مسجد میں بھی ایسی حالت میں آنے سے روک دیا اور حالت جنابت جس طرح نماز سے دوری کا باعث ہے اسی طرح اس کی جگہ (مسجد) سے بھی۔ واللہ اعلم''

(تفسیر ابن کثیر 2/289، الرسالة)

خلاصة التحقیق:

قرآن، حدیث اور سلف صالحین کے فہم سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایام مخصوصہ میں عورت مسجد نہیں جا سکتی، خواہ تعلیم وتربیت ہی کے لیے کیوں نہ ہو۔ راقم الحروف نے آپ کی ارسال کردہ کتاب میں سے قیل وقال کے بجائے صرف بنیادی دلائل کو مدنظر رکھا ہے اور اسی کی روشنی میں جواب تحریر کیا ہے۔ ہم نے جن ثابت شدہ دلائل کو ذکر کیا ہے، اس کے بعد مؤلفِ کتاب کے اعتراضات بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ والحمد لله

شکاری کتے کی خرید وفروخت بھی ممنوع ہے

سوال: احادیث میں شکاری کتا رکھنے کی اجازت ہے۔ کیا جن کتوں کو رکھا جا سکتا ہے ان کی خرید وفروخت بھی جائز ہے؟ (عبدالرزاق، اوکاڑہ)

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کھیتی اور جانوروں کی حفاظت کے لیے، نیز شکاری کتا رکھنے کی اجازت دی ہے۔

دیکھئے صحیح مسلم (1575) وغیرہ، لیکن ان کی خرید وفروخت بغیر کسی استثنا کے مطلقاً

ممنوع قرار دی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا يَحِلُّ ثَمَنُ الْكَلْبِ ......)) ''کتے کی قیمت حلال نہیں ہے۔'' (سنن أبي داود: 3484، سنن النسائي: 4298 وسنده حسن)

سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا ہے۔ (سنن أبي داود: 3483 وسنده صحيح)

سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ''أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَ مَهْرِ الْبَغِيِّ وَ حُلْوَانِ الْكَاهِنِ۔'' یقیناً رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت، زانیہ کی اجرت اور کاہن کے نذرانے سے منع فرمایا ہے۔

(صحيح البخاري: 2237، صحيح مسلم: 1567)

مذکورہ احادیث سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہر قسم کے کتے کی قیمت حرام ہے، البتہ بعض روایات میں شکاری کتے کی خرید وفروخت سے متعلق رخصت ہے لیکن وہ تمام روایتیں سند کے اعتبار سے ضعیف اور غیر ثابت ہیں۔ درج ذیل سطور میں ہم ترتیب وار ان کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱) حَدَّثَنَا أَبُوْ كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي الْمُهَزِّمِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: ''نَهَى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ إِلاَّ كَلْبَ الصَّيْدِ''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: شکاری کتے کے علاوہ کتے کی قیمت ممنوع ہے۔ (سنن الترمذي: 1281)

اس روایت کی سند میں ابو المہزم یزید بن سفیان متروک ہے۔

(التقریب: 8397)

جمہور محدثین نے اسے ضعیف ومتروک ہی قرار دیا ہے، نیز امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''هَذَا حَدِيْثٌ لَا يَصِحُّ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ۔'' لہٰذا اس روایت سے استثنا کا استدلال مردود ہے۔

۲) عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ: ” نَهَى عَنْ ثَمَنِ السِّنَّوْرِ وَ الْكَلْبِ إِلاَّ كَلْبَ صَيْدٍ۔“

(شرح مشکل الآثار للطحاوي 4/58، 12/83 واللفظ له، سنن الدارقطني 3/27 ح 3067، 3065، 3068، 3069، السنن الکبری للبیهقي 6/11، مسند أبي یعلیٰ 3/427 ح 1919، مصنف ابن أبي شیبة: 20910، مسند أحمد 3/317 ح 14451)

اس روایت کی سند میں بنیادی راوی ابو الزبیر ہیں جو کہ ثقہ وصدوق ہونے کے ساتھ ساتھ زبردست مدلس بھی ہیں اور عن سے روایت کر رہے ہیں، سماع کی صراحت نہیں کی، لہٰذا یہ روایت بھی ضعیف ہے۔

حافظ ابن حبان نے فرمایا: ” هَذَا الْخَبَرُ بِهَذَا اللَّفْظِ لاَ أَصْلَ لَهُ“

(المجروحین 1/237)

امام نسائی نے اسے منکر قرار دیا ہے۔ دیکھئے سنن النسائي (4668)

۳) یہی روایت السنن الکبریٰ للبیهقی (6/10) میں ایک دوسری سند سے مروی ہے جس کے بارے میں امام بیہقی رحمہ اللہ نے خاص جرح کر رکھی ہے۔ آپ نے فرمایا: ” وَرِوَايَةُ حَمَّادٍ عَنْ قَيْسٍ فِيهَا نَظَرٌ۔“ یعنی یہاں خاص حماد کی قیس سے روایت میں نظر ہے۔ نیز فرماتے ہیں: ”اَلأَحَادِيْثُ الصِّحَاحُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي النَّهْيِ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ خَالِيَةٌ مِنْ هَذَا الإِسْتِثْنَاءِ وَ إِنَّمَا الإِسْتِثْنَاءُ فِي الأَحَادِيْثِ الصِّحَاحِ فِي النَّهْيِ عَنِ الإِقْتِنَاءِ وَ لَعَلَّهُ شُبِّهَ عَلَى مَنْ ذَكَرَ فِيْ حَدِيْثِ النَّهْيِ عَنْ ثَمَنِهِ مِنْ هٰؤُلَاءِ الرُّوَاةِ الَّذِيْنَ هُمْ دُوْنَ الصَّحَابَةِ وَ التَّابِعِيْنَ، وَ اللهُ أَعْلَمُ۔“

کتے کی قیمت سے متعلق ممانعت والی صحیح احادیث جو نبی ﷺ سے مروی ہیں وہ اس استثنا کے بغیر ہیں۔ صحیح احادیث میں (کتا رکھنے کے بارے میں) جو ممانعت ہے صرف اسی میں شکاری کتے کا استثنا ہے۔ ممکن ہے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) وتابعین کے علاوہ جن راویوں نے کتے کی قیمت سے ممانعت والی روایت بیان کی ہے ان پر (اِلاَّ

كَلْبَ صَيْدٍ) مشتبہ ہو گیا ہو، واللہ اعلم۔ (السنن الکبریٰ للبیهقي: 6/7)

علاوہ ازیں اس روایت کے مرفوع اور موقوف ہونے میں بھی اختلاف ہے۔

خلاصة التحقیق:

صحیح احادیث کی رُو سے ہر قسم کے کتے کی خرید وفروخت حرام ہے اور جن روایات میں شکاری کتے کا استثنا ہے وہ غیر ثابت ہیں۔ حافظ ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَ لَا يَجُوْزُ ثَمَنُ الْكَلْبِ الْمُعَلَّمِ وَ لَا غَيْرِهِ“ نہ شکاری کتے کی قیمت جائز ہے اور نہ کسی دوسرے کتے کی۔ (المجروحین: 1/237)

جمہور اہل علم کا فیصلہ بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

دراج بن سمعان صدوق وحسن الحدیث راوی ہیں

سوال دراج ابو السمح راوی کو دکتور بشار عواد اور دکتور شعیب ارناؤط نے (تحریر تقریب التهذیب: 1824) میں ضعیف لکھا ہے، کیا فی الواقع یہ ضعیف ہی ہے؟ (ایک سائل)

جواب دراج بن سمعان بعض محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، مثلاً:

۱: امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: ” هذا روى مناكير كثيرة “
(سؤالات أبي داود للإمام أحمد :259)

۲: امام نسائی نے فرمایا: ”لیس بالقوي“ (الضعفاء والمتروکون :187)

۳: امام دارقطنی نے فرمایا: ”ضعیف“ (سؤالات الحاکم للدارقطني: 261)

۴: امام ابو حاتم الرازی نے فرمایا: ” دراج في حديثه صنعة۔“
(علل الحدیث لإبن أبي حاتم 3/674)

ان کے مقابلے میں جمہور محدثین نے دراج بن سمعان کی توثیق فرمائی ہے جو اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہے:

۱: امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: "ثقة" (تاريخ ابن معين ، رواية الدارمي:315)

۲: امام عثمان بن سعید نے فرمایا: "صدوق" (الجرح والتعديل 442/3)

۳: امام ابن حبان نے کتاب الثقات (114/5) میں "ثقة" قرار دیا۔

۴: امام ابن شاہین نے "ثقة" قرار دیا۔ (تاريخ اسماء الثقات :349)

۵: امام ترمذی (سنن الترمذي: 2033)

۶: امام ابن الجارود (المنتقى: 336,1035)

۷: امام ابن خزیمہ (صحيح ابن خزيمة :653,1502)

۸: امام حاکم (المستدرك 232/2)

۹: ابوالحسن ابن القطان (بيان الوهم والإيهام في كتاب الأحكام: 273,378/4)

۱۰: حافظ ذہبی (تلخيص المستدرك: 426/2,534/2)

۱۱: حافظ ابن حجر (الأمالي المطلقة ص 223، التقريب:1824 و قال:"صدوق")

ان تمام محدثین نے تصحیح و تحسین کے ذریعے سے دراج بن سمعان کی توثیق فرمائی ہے۔

۱۲: حافظ ہیثمی نے فرمایا: "ثقة" (مجمع الزوائد:187/1)

تنبیہ: مذکورہ بالا تمام علماء و محدثین نے "دراج عن أبي الهيثم" کے سلسلے کو بھی صحیح قرار دیا ہے، جیسا کہ امام ابن شاہین نے امام ابن معین سے نقل کیا: "ما كان بهذا الإسناد فليس به۔" (تاريخ اسماء الثقات:34) ہمارے نزدیک راجح یہی ہے کہ بعض متاخرین کے علاوہ متقدمین میں سے کسی نے دراج عن أبي الهيثم کے سلسلے کو ضعیف نہیں کہا: یعنی متقدمین میں سے بعض نے محض دراج کو ضعیف کہا ہے۔ (جو مرجوح ہے) نہ کہ سلسلۂ دراج عن ابی الہیثم کو اور اس کے برعکس ایک جماعت نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اس سلسلے میں مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو:

اضواء المصابيح في تحقيق مشكوٰة المصابيح للأستاذ الحافظ زبير علي زئي رحمہ اللہ (1/288)

خلاصة التحقيق:

دراج بن سمعان صدوق وحسن الحدیث راوی ہیں، کیونکہ جمہور نے ان کی توثیق فرمائی ہے اور جن بعض محدثین نے انھیں مجروح قرار دیا ہے وہ جرح جمہور کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے ناقابل التفات ہے۔ واضح رہے کہ دکتور شعیب ارناؤط وغیرہ نے بھی دراج مذکور کو "صدوق و حسن الحديث" ہی قرار دیا ہے۔

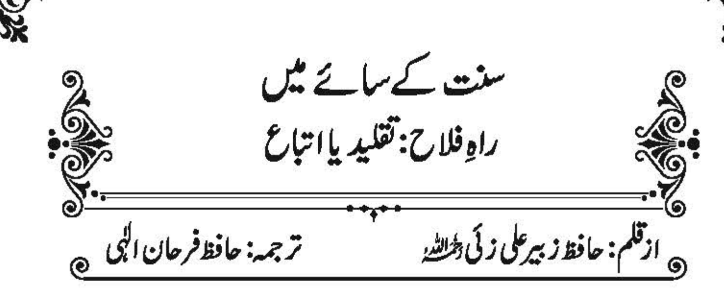
دیکھئے مسند أحمد ، الموسوعة الحديثية (11/444)

اور یہی راجح ہے، لہٰذا تحریر تقریب التهذيب میں ان میں دراج کو ضعیف کہنا درست نہیں ہے۔

محبت ونفرت میں اعتدال

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ) نے فرمایا: «أَحْبِبْ حَبِيبَكَ هَوْنًا مَا، عَسَى أَنْ يَكُونَ بَغِيضَكَ يَوْمًا مَا، وَأَبْغِضْ بَغِيضَكَ هَوْنًا مَا عَسَى أَنْ يَكُونَ حَبِيبَكَ يَوْمًا مَا» "اپنے دوست سے ایک حد تک محبت کر، ممکن ہے کبھی (کسی وجہ سے) تجھے نفرت ہوجائے اور (اپنے دشمن سے بھی) ایک حد تک نفرت کر، ممکن ہے کسی دن تجھے (اس سے) محبت ہوجائے۔" (سنن الترمذی: ۱۹۹۷؛ وسندہ حسن)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے (اسلم رحمہ اللہ سے) فرمایا: "لَا يَكُنْ حُبُّكَ كَلَفًا وَلَا بُغْضُكَ تَلَفًا" تیری محبت فریفتہ کرنے والی نہ ہو اور نہ تیری نفرت ہلاک کرنے والی ہو۔ (اسلم رحمہ اللہ نے کہا:) میں نے عرض کیا: وہ کیسے؟ انھوں نے فرمایا: «إِذَا أَحْبَبْتَ كَلِفْتَ كَلَفَ الصَّبِيِّ وَإِذَا أَبْغَضْتَ أَحْبَبْتَ لِصَاحِبِكَ التَّلَفَ» جب تو محبت کرے تو بچے کی طرح فریفتہ ہونے لگے اور جب تو نفرت کرے تو اپنے ساتھی کی تباہی و بربادی پسند کرے۔ (الأدب المفرد للبخاری:۱۳۲۲؛ وسندہ صحیح)



سنت کے سائے میں

راہِ فلاح: تقلید یا اتباع

از قلم: حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ — ترجمہ: حافظ فرحان الٰہی

امام وکیع بن الجراح الکوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ مُعَاذٍ، قَالَ: كَيْفَ أَنْتُمْ عِنْدَ ثَلَاثٍ؟ دُنْيَا تَقْطَعُ رِقَابَكُمْ، وَزَلَّةِ عَالِمٍ، وَجِدَالِ مُنَافِقٍ بِالْقُرْآنِ؟ فَسَكَتُوْا، فَقَالَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَمَّا دُنْيَا تَقْطَعُ رِقَابَكُمْ فَمَنْ جَعَلَ اللهُ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهِ هُدِيَ وَمَنْ لَا فَلَيْسَ بِنَافِعَتِهِ دُنْيَاهُ وَأَمَّا زَلَّةُ عَالِمٍ فَإِنِ اهْتَدٰى فَلَا تُقَلِّدُوْهُ دِيْنَكُمْ، وَإِنْ فُتِنَ فَلَا تَقْطَعُوْامِنْهُ آنَاتِكُمْ، فَإِنَّ الْمُؤْمِنَ يُفْتَنُ ثُمَّ يُفْتَنُ، ثُمَّ يَتُوْبُ، وَأَمَّا جِدَالُ مُنَافِقٍ بِالْقُرْآنِ، فَإِنَّ لِلْقُرْآنِ مَنَارًا كَمَنَارِ الطَّرِيْقِ لَا يَكَادُ يَخْفٰى عَلٰى أَحَدٍ، فَمَا عَرَفْتُمْ فَتَمَسَّكُوا بِهِ، وَمَا أُشْكِلَ عَلَيْكُمْ فَكِلُوْهُ إِلٰى عَالِمِهِ۔

سیدنا معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: تم تین موقعوں پر کیا کرو گے؟ (1) جب دنیا تمہاری گردنیں کاٹے گی (2) عالم کی غلطی کے وقت (3) اور جب منافق قرآن کو بنیاد بنا کر جھگڑ رہا ہو؟ لوگ خاموش رہے، تو معاذ رضی اللہ عنہ نے خود ہی فرمایا: جب دنیا تمہاری گردن توڑنے لگے (تو اس سے متعلق سنو!) جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے بے نیازی رکھ دی، وہ ہدایت پا گیا اور جس کے ساتھ ایسا نہ کیا تو اسے اس کی دنیا کچھ فائدہ نہ

دے پائے گی، اور عالم کی گمراہی (سے متعلق سنو!) اگر عالم ہدایت پر بھی ہو تو دین میں اس کی تقلید نہ کرو۔ اگر وہ کسی آزمائش میں مبتلا ہو جائے تو تم اس سے مایوس نہ ہونا، کیوں کہ مومن کی بار بار آزمائش ہوتی ہے، پھر وہ توبہ کرلیتا ہے، اور منافق کا قرآن کو بنیاد بنا کر جھگڑا کرنا (تو اس سے متعلق سنو!) قرآن کے کئی نشانات ہوتے ہیں، جیسے راستے کے نشانات، اور وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہوتے، لہٰذا جن (احکام) کو تم پہچان لو، انہیں مضبوطی سے تھام لو، اور جو تم پر مشکل ہوں، انہیں عالم کے سپرد کردو۔

(کتاب الزهد ۱/۲۹۹_۳۰۱ ح ۷۱)

تخریج الحدیث: الزهد لأبي داود (ح۱۹۳) حلية الأولياء لأبي نعيم الأصبهاني (۵/۹۷) جامع بيان العلم وفضله لإبن عبد البر (۲/۱۱۱) الاحكام في أصول الاحكام لابن حزم (۶/۲۳۶_۳۱۸)

یہ اثر شعبہ کے طریق سے مروی ہے، ابونعیم فرماتے ہیں: شعبہ نے اس اثر کو موقوفاً بیان کیا ہے اور یہی صحیح ہے۔ حافظ دارقطنی فرماتے ہیں: شعبہ نے عمرو بن مرہ کے طریق سے موقوفاً بیان کیا ہے، یعنی یہ معاذ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور موقوفاً ہی صحیح ہے۔

دیکھئے: اتحاف السادة المتقين (۱/۳۷۸)، الوقوف على الموقوف لعمر بن بدر بن سعيد الموصلي (ص:۸۷ ح ٦٤) حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین (۲/۲۳۹) میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

حکم الحدیث: إسناده حسن

فقہ الحدیث

۱) یہ اثر مرفوع کے حکم میں ہے، اسے طبرانی نے المعجم الاوسط (۸۴۱۰) میں عمرو بن مرّہ عن معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) کی سند سے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے، لیکن اس کی سند منقطع (ضعیف) ہے۔

۲) اس اثر میں عوام اور علماء ہر دو طبقوں کے لیے تقلید کی ممانعت پر واضح دلیل موجود

ہے، جس سے معلوم ہوا کہ جاہل شخص کے لیے بھی تقلید حرام ہے، بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر مسئلے میں علماء سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کے متعلق دریافت کرے اور یہ طرزِ عمل تقلید نہیں ہوتا۔ دیکھئے: مسلّم الثبوت(ص:٢٨٩) فواتح الرحموت(٢/٤٠٠)، منتهى الوصول لابن حاجب(ص:٢١٨) التقرير والتحرير(٣/٤٥٣)الاحكام في أصول الاحكام للآمدي(٤/٢٢٧) إرشاد الفحول للشوكاني(ص:٢٦٥)، كشاف اصطلاحات الفنون(٢/١١٧٨)، نیز جو آدمی جاہل شخص کے لیے کسی عالم کی تقلید کو جائز قرار دیتا ہے، وہ غلطی پر ہے اور جلیل القدر صحابی سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرتا ہے، کیونکہ عام آدمی پر بھی دلیل کی اتباع اور پیروی ضروری ہے۔

٣) اس اثر میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت پر دنیا کی محبت کو مقدم سمجھنے کی مذمت کی گئی ہے۔

٤) اس اثر میں واضح کیا گیا ہے کہ قرآن کریم کو سلف صالحین کے فہم اور منہج کے مطابق سمجھنا واجب ہے، یہی اہل ایمان کا راستہ ہے اور جو لوگ کتاب اللہ کو سلف صالحین کے منہج اور فہم کے بغیر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں وہ خود بھی گمراہی میں مبتلا ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

٥) یہ پہلو بھی نکھرتا ہے کہ اگر اپنے ساتھیوں کو کسی معاملے میں غلطی پر پائیں تو انھیں نصیحت کرنی چاہیے، ان سے الگ نہیں ہونا چاہیے۔ بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی خطاؤں کو ترک کرکے درست راستے کو اپناتے ہیں۔

٦) عبداللہ بن سلمہ پر اختلاط کا الزام ہے، جس کی طرف ان کے شاگرد عمرو بن مرّہ نے اشارہ کیا ہے، اور وہی ان سے یہ حدیث روایت کر رہے ہیں، عمرو بن مرّہ کی ان سے حدیث کو ترمذی(١٤٦) ابن خزيمة(٢٠٨) ابن حبان(الموارد:١٩٣، ١٩٢) ابن الجارود(٩٤) حاکم(٤/١٠٧) اور دیگر نے صحیح قرار دیا ہے، لہٰذا عبداللہ بن سلمہ

سے عمرو بن مرّہ کی روایت قبل از اختلاط متصور ہوگی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ان کی ایک حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: حق بات یہ ہے ان کی روایت حسن درجے کی ہے اور دلیل بنانے کے قابل ہے۔ (فتح الباري ١/٤٠٨ ح ٣٠٥)

٧) غنا(بے نیازی) ہدایت کا ذریعہ اور دنیا کی حرص و جھوٹی شہرت کی طمع بے دینی کا باعث ہے۔

٨) اگر کسی دینی امر میں مشکل پیش آ رہی ہو تو اہل علم سے پوچھ لینا چاہیے کیونکہ یہ پوچھنا قطعاً تقلید نہیں، جیسا کہ اوپر مذکور ہے۔

دو خوش نصیب

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنی مسند(416/1 ح3949) میں فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا رَوْحٌ، وَعَفَّانُ، قَالَا:حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، قَالَ عَفَّانُ: أَخْبَرَنَا عَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ، عَنْ مُرَّةَ الْهَمْدَانِيِّ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((عَجِبَ رَبُّنَا عَزَّ وَجَلَّ مِنْ رَجُلَيْنِ: رَجُلٍ ثَارَ عَنْ وِطَائِهِ وَلِحَافِهِ، مِنْ بَيْنِ أَهْلِهِ وَحَيِّهِ إِلَى صَلَاتِهِ، فَيَقُولُ رَبُّنَا: أَيَا مَلَائِكَتِي، انْظُرُوا إِلَى عَبْدِي، ثَارَ مِنْ فِرَاشِهِ وَوِطَائِهِ، وَمِنْ بَيْنِ حَيِّهِ وَأَهْلِهِ إِلَى صَلَاتِهِ، رَغْبَةً فِيمَا عِنْدِي، وَشَفَقَةً مِمَّا عِنْدِي، وَرَجُلٍ غَزَا فِيْ سَبِيلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَانْهَزَمُوا، فَعَلِمَ مَا عَلَيْهِ مِنَ الْفِرَارِ، وَمَا لَهُ فِي الرُّجُوعِ، فَرَجَعَ حَتَّى أُهْرِيقَ دَمُهُ، رَغْبَةً فِيمَا عِنْدِيْ، وَشَفَقَةً مِمَّا عِنْدِيْ، فَيَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ لِمَلَائِكَتِهِ: انْظُرُوا إِلَى عَبْدِيْ، رَجَعَ رَغْبَةً فِيمَا عِنْدِيْ، وَرَهْبَةً مِمَّا عِنْدِيْ، حَتَّى أُهْرِيقَ دَمُهُ۔))

مكتبة الحديث،حضرو

سیدنا عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہمارا رب دو آدمیوں سے بہت خوش ہوتا ہے، ایک وہ آدمی جو اپنے بستر، لحاف اور اہل خانہ سے الگ ہو کر نماز کی طرف متوجہ ہوتا ہے، تو ہمارا رب فرماتا ہے: اے میرے فرشتو! میرے بندے کی طرف تو دیکھو جو اپنے بستر، لحاف اور اہل خانہ کو چھوڑ کر میری نعمتوں کے شوق میں اور میرے عذاب کے خوف سے اپنی نماز میں منہمک ہے۔ دوسرا وہ آدمی جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے، جب لوگ میدان سے پیچھے ہٹ رہے ہوتے ہیں تو یہ آدمی اس بات کو جان کر کہ بھاگنے کا کیا گناہ ہے اور لوٹ کر حملہ کرنے کا کیا اجر ہے، میری نعمتوں کے شوق میں اور میرے عذاب کے خوف سے پلٹ کر حملہ کرتا ہے حتیٰ کہ شہید کر دیا جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتا ہے: میرے بندے کو تو دیکھو، اس نے میری نعمتوں کے شوق میں اور میرے عذاب کے خوف سے پلٹ کر حملہ کیا، یہاں تک کہ شہید کر دیا گیا۔“

تخریج الحدیث:

أخرجه ابن أبي شيبة(المصنف: 313,314/5 ح 19395)،المسند لإبن أبي شيبة 275/1 ح385) عن عفان به، ورواه ابن أبي عاصم (كتاب الجهاد 352/1 ح125، السنة:569مختصراً) عن ابن أبي شيبة به، وإسناده حسن، وصححه ابن حبان (موارد الظمآن: 643,644) والحاكم(112/2 مختصراً) ورواه الذهبي ، واختصره أبو داود في سننه(2536)

حکم الحدیث: صحیح

فقہ الحدیث:

۱۔ اس حدیث میں اللہ رب العزت کی صفتِ عجب (خوش ہونا) کا اثبات ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں سے خوش ہوتا ہے۔

۲۔ اہل سنت، اللہ رب العزت کی ان تمام صفات پر جو قرآن اور صحیح حدیث سے ثابت ہوں، اُسی طرح ایمان رکھتے ہیں جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ اللہ کی صفات کو مخلوق کی صفات سے تشبیہ نہیں دیتے اور نہ معتزلہ و جہمیہ اور ان جیسے دیگر گمراہ فرقوں کی طرح ان کا انکار کرتے ہیں۔

۳۔ امام ابوبکر ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی کتاب ”كتاب التوحيد“ (ص:383,382 ح 10/605) میں روح بن عبادہ عن حماد بن سلمہ کی سند سے نقل کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث توحید یعنی توحیدِ اسماء وصفات سے متعلق ہے۔

۴۔ اس حدیث میں قیام اللیل کی فضیلت اور اس کی ترغیب واضح ہوتی ہے کہ اللہ رب العزت اس آدمی سے خوش ہوتا جو اپنی نیند اور راحت کو ترک کر کے رات کا قیام کرتا ہے، اور اس کا مطلوب ریا کاری نہیں بلکہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہوتی ہے۔

۵۔ اس حدیث میں اللہ رب العزت کی صفتِ کلام کا تذکرہ بھی موجود ہے۔

۶۔ یہ حدیث جہادِ فی سبیل اللہ اور ان مجاہدین کی بہت بڑی منقبت پر دلالت کر رہی ہے جن کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

۷۔ اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے، عطاء بن السائب صدوق راوی ہیں، آخر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے، امام عقیلی نے الضعفاء (399/3) میں صحیح سند کے ساتھ یحییٰ القطان سے روایت کیا کہ انہوں نے أبو عوانة الوضاح عن عطاء کی سند سے متعلق فرمایا: ”كَانَ لَا يَفْصِلُ هَذَا مِنْ هَذَا ، وَ كَذَلِكَ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ“ یعنی ان دونوں نے عطاء بن السائب سے بعد از اختلاط سنا ہے، لیکن یحییٰ بن معین نے (تاريخ ابن معين، رواية الدوري:1465 میں) جمہور نے ان (یحییٰ بن القطان) کی مخالفت کی ہے اور ان کا خیال ہے کہ حماد بن سلمہ نے عطاء بن السائب سے قبل از اختلاط روایت کی ہے، اور حماد کی ان سے

روایت صحیح ہے۔ میرے نزدیک جمہور کا قول ہی راجح ہے۔ شیخ مساعد بن سلیمان الراشد الحمید نے بھی السبیل الھاد إلی تخریج أحادیث کتاب الجھاد (356-453/1) میں محدثین کے اقوال ذکر کرنے کے بعد اسی طرف اپنا رجحان ظاہر کیا ہے۔

۸۔ اس حدیث کے دیگر شواہد عثمان بن سعید الدارمی کی کتاب "الرد علی البشر المریسي" (ص:180) اور امام حاکم کی کتاب المستدرك (25/1) وغیرہما میں موجود ہیں، لہٰذا حدیث اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔

۹۔ مرجیہ اور خوارج کے نظریات کے برخلاف اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ ایمان خوف ورجاء کے مابین رہتا ہے۔

۱۰۔ اس حدیث میں یہ لطیف اشارہ بھی ہے کہ صرف وہی عمل مقبول ہوگا جو خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لیے کیا جائے، دکھلاوا اور شہرت مقصود نہ ہو، نیز کتاب وسنت کے مطابق ہو، کیوں کہ کتاب وسنت کی موافقت کسی بھی عمل کے قبول ہونے کی اولین شرط ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ))

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے طریقے کے مطابق نہیں تو وہ مردود ہے۔'' (صحیح البخاری: 2697، صحیح مسلم :1718/18 واللفظ له)

مسلمان کون؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو ہماری نماز ادا کرے، ہمارے قبلے کی جانب رخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہ مسلمان ہے، اس کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذمہ ہے۔ پس تم اللہ کے ذمے کو مت توڑو۔''

صحیح البخاری: ۱۹۳، ۳۹۳۔

فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم

حافظ شیر محمد الاثری

دشمنانِ اسلام کی چال یہ تھی کہ صحابہ کرام کی مقدس جماعت کو بدنام کرے اور اس طرح بالواسطہ وہ اس ہستی کو نشانہ بنائیں جس کی محبت سے یہ جماعت تیار ہوئی تھی گویا وہ اس طرح نبوت کی عمارت ہی کو منہدم کرنا چاہتے تھے اور ظاہر ہے کہ جب نبوت کی عمارت ہی منہدم ہو جائے تو پھر اسلام باقی رہے گا نہ مسلم...... اور یہی اُن کا اصل مقصد تھا، اگرچہ وہ اپنے اس مقصد میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکے لیکن ان کی یہ سازش جاری ہے۔

ہمارا ''فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم'' مستقل تحریر کرتے رہنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ دشمنانِ اسلام کی سازش بے نقاب ہو اور ان پاکباز ہستیوں کے بارے میں ان دشمنانِ اسلام کے ناپاک ارادے خاک میں ملیں اور اہل اسلام کے دل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت سے لبریز ہو جائیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ نِعْمَةً ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾

''لیکن اللہ نے تمھارے لیے ایمان کو محبوب بنا دیا اور اسے تمھارے دلوں میں مزین کر دیا اور اس نے کفر اور گناہ اور نافرمانی کو تمھارے لیے ناپسندیدہ بنا دیا یہی لوگ ہدایت والے ہیں۔ اللہ کی طرف سے فضل اور

نعمت کی وجہ سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا کمال حکمت والا ہے۔"
(الحجرات: ۷۔۸)

قرآن مجید کی مذکورہ آیات سے درج ذیل باتیں واضح ہیں:

۱: اللہ تعالیٰ کی گواہی کہ ان لوگوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کو ایمان محبوب ہے۔

۲: ایمان ان کے دلوں میں مزین کر دیا گیا ہے۔

۳: یہ لوگ راہِ ہدایت پر ہیں۔

۴: ان لوگوں پر اللہ کا فضل اور انعام ہے۔

۵: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کفر، گناہ اور معصیت و نافرمانی سے نفرت کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾

"بلا شبہ اللہ ایمان والوں سے راضی ہو گیا جب وہ اس درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے تو اس نے جان لیا جو ان کے دلوں میں تھا، پس ان پر سکینت نازل کر دی اور انھیں بدلے میں ایک قریب فتح عطا فرمائی۔" (الفتح: ۱۸)

یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے اس بات پر بیعت کی کہ وہ قریشِ مکہ سے لڑیں گے اور راہ فرار اختیار نہیں کریں گے، نیز ان کے دلوں میں جو صدق و صفا کے جذبات تھے اللہ ان سے بھی واقف تھا، اس سے ان دشمنان صحابہ رضی اللہ عنہم کا رد ہو گیا جو کہ صحابہ کے بارے میں اپنی دلوں میں تنگی محسوس کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾

"لیکن رسول نے اور ان لوگوں نے جو اس کے ہمراہ ایمان لائے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے بھلائیاں ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔" (التوبۃ: ۸۸)

آیت بالا میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی فضیلت ہے، ثابت ہوا کہ صحابہ کرام اللہ کے راستے میں نہ صرف اپنی جان اور اپنے مال کی قطعاً کوئی پروا نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی قربانی کا یہ عالم تھا کہ اللہ رب العزت نے اعلان فرما دیا کہ یہی لوگ ہیں جن کے لیے بھلائیاں ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں، اس کے باوجود ان عظیم المرتبت ہستیوں کے بارے میں کچھ ناداں لوگوں کے دلوں میں میل موجود ہے جو درحقیقت ان کی کج فہمی اور بد نصیبی کی دلیل ہے، کیونکہ آسمان پر تھوکنے کا نتیجہ سب جانتے ہیں......!!!

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا﴾

"جو نعمت اللہ نے تمھیں بخشی ہے اسے یاد کرو جب تم دشمن تھے تو اس نے تمھارے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمھیں اس سے بچا لیا۔" (آل عمران: ۱۰۳)

آیت بالا میں اس بات کا کتنا واضح ثبوت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں ایک دوسرے سے بڑی محبت کرتے تھے، یعنی اسلام قبول کرنے سے پہلے یہ باہمی ذاتی عداوتوں میں مبتلا تھے اسی کو یہاں آگ کے گڑھے کے کنارے سے تعبیر کیا گیا ہے، پھر اسلام کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے انھیں آگ میں گرنے سے بچا لیا اور عداوت

کے بجائے اخوت پیدا کردی اور بعد از اسلام اگر کوئی معاملہ ہوا بھی تو وہ ذاتی نہیں محض اجتہادی تھا اور اس میں بھی غلبہ دین ہی پیش نظر تھا۔ واللہ اعلم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾

"محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں کافروں پر بہت سخت اور آپس میں نہایت رحم دل ہیں تو انھیں اس حال میں دیکھے گا کہ رکوع کرنے والے ہیں سجدے کرنے والے ہیں اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا ڈھونڈتے ہیں ان کی شناخت ان کے چہروں میں (موجود) ہے سجدے کرنے کے اثر سے، یہ ان کا وصف تورات میں ہے اور انجیل میں۔ ان کا وصف اس کھیتی کی طرح ہے جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی کاشت کرنے والوں کو خوش کرتی ہے تاکہ وہ ان کے ذریعے سے کافروں کو غصہ دلائے۔ اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے بڑی بخشش اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔" (الفتح: ۲۹)

اس آیت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی درج ذیل خصوصیات ثابت ہو رہی ہیں:

۱: کافروں پر سخت ۲: آپس میں نہایت نرم ۳: ان کا اکثر وقت نماز میں گزرتا ہے۔

۴: وہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضا تلاش کرتے رہتے ہیں۔

آیتِ مبارکہ میں کتنا واضح ثبوت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر کام میں اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب تھے، لہٰذا انھوں نے جو بھی کام کیے وہ خلوص پر مبنی تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَ كَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ (الفتح: ۲۶)

"جب ان لوگوں نے جنھوں نے کفر کیا اپنے دلوں میں ضد رکھ لی جو جاہلیت کی ضد تھی تو اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اتار دی اور انھیں تقویٰ کی بات پر قائم رکھا اور وہ اس کے زیادہ حق دار اور اس کے لائق تھے اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔"

اس آیت کی موجودگی میں کیا کوئی مومن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق بدگمانی رکھ سکتا ہے؟ اگر کوئی رکھتا ہے تو اس کا دل نفاق سے خالی نہیں یا وہ بدعتی گمراہ ہوگا۔ میرے نبی ﷺ نے کیا خوب فرمایا:

((لاَ يُحِبُّهُمْ اِلاَّ مُؤْمِنٌ وَ لاَ يُبْغِضُهُمْ اِلاَّ مُنَافِقٌ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ اَحَبَّهُ اللّٰهُ وَ مَنْ اَبْغَضَهُمْ اَبْغَضَهُ اللّٰهُ۔))

(صحیح البخاري:۳۷۸۳)

"انصار سے صرف مومن ہی محبت رکھے گا اور ان سے صرف منافق ہی بغض رکھے گا۔ پس جو شخص ان سے محبت رکھے گا اس سے اللہ محبت رکھے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا اس سے اللہ بغض رکھے گا۔"

قارئین کرام! سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تک جمیع صحابہ کے بہت سے فضائل ومناقب کتب احادیث میں موجود ہیں جن کی تفصیل ہماری

کتاب ''فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اب اگر کوئی کسی صحابی کے بارے میں بدگمانی کا اظہار کرتا ہے تو وہ راہِ حق وراہِ اعتدال سے ہٹا ہوا ہے۔

تنبیہ: ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ایک شخص ہمارے شیخ محترم حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کے ساتھ اپنا خودساختہ تعلق جوڑ کر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بدگمانیاں پھیلا رہا ہے واضح رہے کہ ایسے منصوبے پر عمل پیرا اس شخص کا محدث العصر رحمہ اللہ یا ہمارے ادارے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ ہم ایسے لوگوں سے بری ہیں۔

اے اللہ! ہمارے دلوں میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت بھر دے۔ آمین

مسجد میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرنے والے پر اللہ فخر کرتا ہے

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ: صَلَّيْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ الْمَغْرِبَ فَرَجَعَ مَنْ رَجَعَ، وَعَقَّبَ مَنْ عَقَّبَ، فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مُسْرِعًا قَدْ حَفَزَهُ النَّفَسُ، وَقَدْ حَسَرَ عَنْ رُكْبَتَيْهِ، فَقَالَ: ((أَبْشِرُوا، هَذَا رَبُّكُمْ قَدْ فَتَحَ بَابًا مِنَ أَبْوَابِ السَّمَاءِ يُبَاهِي بِكُمُ الْمَلَائِكَةَ، يَقُولُ: انظُرُوا إِلَى عِبَادِيْ قَدْ قَضَوا فَرِيْضَةً وهُمْ يَنْتَظِرُونَ أُخْرَى)) سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز ادا کی، پھر کچھ لوگ (نماز پڑھ کر) واپس چلے گئے اور کچھ بیٹھے رہے، اتنے میں رسول اللہ ﷺ اس قدر تیزی سے آئے کہ آپ کی سانس پھولی ہوئی تھی اور اپنے گھٹنوں سے کپڑا سمیٹے ہوئے تھے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''خوش ہو جاؤ! تمہارا رب آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول کر فرشتوں کے سامنے تمہارا ذکر فخر سے کر رہا ہے اور فرما رہا ہے: ''میرے ان بندوں کو دیکھو جو ایک فرض نماز کی ادائیگی کے بعد دوسری نماز کا انتظار کر رہے ہیں۔'' سنن ابن ماجہ: ۸۰۱ وسندہ صحیح۔

انوار السنن فی تحقیقِ آثار السنن
(۲۸)

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ

بَابُ التَّعَوُّذِ وَ قِرَاءَ ةِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَ تَرْكِ الْجَهْرِ بِهِمَا قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾

تعوذ اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کی قراءت اور ان دونوں کو جہراً نہ پڑھنے کا باب، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''پس جب تو قرآن پڑھے تو شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ مانگ''

۳۳۹) عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ: رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ حِيْنَ افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ كَبَّرَ ثُمَّ قَالَ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰى جَدُّكَ وَ لَآ إِلٰهَ غَيْرُكَ ثُمَّ يَتَعَوَّذُ۔ رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَ إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

اسود بن یزید (ثقہ تابعی رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا، جب انھوں نے نماز شروع کی تو تکبیر کہی، پھر فرمایا: ''سبحانك اللّٰهم...... غيرك'' پھر آپ تعوذ ((أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ)) پڑھتے تھے۔

اسے دارقطنی (۱/۳۰۰ ح ۱۱۳۳، ۱۱۳٤) نے روایت کیا اور اس کی سند صحیح ہے۔

انوار السنن: صحیح ہے۔

دیکھئے حدیث سابق: ۳۳۷

۱: معلوم ہوا کہ نماز شروع کرتے وقت تکبیر (اللہ اکبر) کہنی چاہیے، لہٰذا جو لوگ اللہ اجل

یا اللہ اعظم کہہ کر نماز شروع کرنے کے قائل و فاعل ہیں وہ حدیث رسول کے مخالف ہونے کے ساتھ ساتھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے درج بالا عمل کے بھی سراسر مخالف ہیں۔

۳۴۰) وَ عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ قَالَ: كَانُوْا يُسِرُّوْنَ التَّعَوُّذَ وَ الْبَسْمَلَةَ فِي الصَّلٰوةِ۔ رَوَاهُ سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ فِيْ سُنَنِهٖ وَ إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

اور ابو وائل (شقیق بن مسلم رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ لوگ نماز میں تعوذ اور بسملہ سراً (یعنی اپنے دل میں) پڑھتے تھے۔ اسے سعید بن منصور نے اپنی سنن میں (؟نصب الرایہ ۱/۳۵۸، الدرایہ ۱/۱۳۵) روایت کیا اور اس کی سند صحیح ہے۔

انوار السنن: اس کی سند صحیح ہے۔

سنن سعید بن منصور کا مطبوعہ نسخہ مکمل نہیں اور جو مسند زیلعی وغیرہ نے بیان کی وہ صحیح ہے۔

فائدہ: أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ کے ثبوت کے لیے دیکھئے صحیح بخاری (٦١١٥) صحیح مسلم (٢٦١٠، ترقیم دارالسلام :٦٦٤٦) اور کتاب الام للشافعی (١/١٠٧)

مصنف عبد الرزاق (١/٨٦ ح ٢٥٨٩ وعند ابن المنذر فی الاوسط ٣/٨٧ ح ١٢٧٧) کی ایک مرفوع روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قراءت سے پہلے ((أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ)) پڑھتے تھے۔ اس کی سند عبد الرزاق مدلس (تقدم:۲۱) کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے، علاوہ ازیں باقی سند حسن لذاتہ ہے۔

۳۴۱) وَ عَنْ نُعَيْمِ الْمُجْمِرِ قَالَ صَلَّيْتُ وَ رَاءَ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ فَقَرَأَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ثُمَّ قَرَأَ بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ حَتّٰى إِذَا بَلَغَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ فَقَالَ اٰمِيْنَ فَقَالَ النَّاسُ اٰمِيْنَ وَ يَقُوْلُ كُلَّمَا سَجَدَ اللّٰهُ أَكْبَرُ وَ إِذَا قَامَ مِنَ الْجُلُوْسِ فِى الْاِثْنَيْنِ قَالَ اللّٰهُ أَكْبَرُ وَ إِذَا سَلَّمَ قَالَ وَ الَّذِيْ

نَفْسِيْ بِيَدِهٖ إِنِّيْ لَأَشْبَهُكُمْ صَلٰوةً بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَ الطَّحَاوِيُّ وَ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ ابْنُ الْجَارُوْدِ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ وَ الْبَيْهَقِيُّ وَ إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

اور نعیم المجمر (ثقہ تابعی رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز ادا کی تو انھوں نے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پڑھی، پھر سورۂ فاتحہ پڑھی حتیٰ کہ جب آپ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ پر پہنچے تو آپ نے آمین کہی اور لوگوں نے بھی آمین کہی، جب آپ سجدہ کرتے تو اللہ اکبر کہتے تھے اور جب دو رکعتوں کے بعد تشہد سے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے تھے۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے مشابہ ہوں۔

اسے نسائی (٢/١٣٤ ح ٩٠٦) طحاوی (١/١٩٩) ابن خزیمۃ (١/٢٥١ ح ٤٩٩) ابن الجارود (١٨٤) ابن حبان (الاحسان : ١٧٩٨، الموارد : ٤٥٠، ٤٥١) حاکم (١/١٣٤، ٢٣٢) اور بیہقی (٢/٤٦) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

انوار السنن: اس کی سند صحیح ہے۔

اس صحیح حدیث سے کئی مسئلے ثابت ہوتے ہیں، مثلاً:

اول: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ سورۂ فاتحہ، آمین، تکبیریں اور سلام سب جہراً پڑھے ہیں اور یہی سیاق و سباق سے ثابت ہے۔

دوم: اس سے لوگوں کا آمین بالجہر کہنا بھی ثابت ہوتا ہے۔

سوم: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ساری نماز نبی کریم ﷺ کی نماز ہی کی طرح تھی۔

تنبیہ: ہمارے علم کے مطابق سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طریقۂ نماز کا کوئی مسئلہ بھی منسوخ بالاتفاق نہیں، اگر کسی شخص کو اس دعوے سے اختلاف ہے تو وہ صرف ایک مسئلہ بیان کر کے اس پر صریح دلیل پیش کرے۔

چہارم: نعیم المجمر ثقہ تابعی کے علاوہ کسی نے بھی یہ حدیث سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

مکتبة الحدیث،حضرو

سے اس طرح بیان نہیں کی، لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر ایک ثقہ راوی کوئی روایت بیان کرے اور دوسرے ایک ہزار راوی بھی وہ روایت اپنی سند سے بیان نہ کریں تو پریشانی کی کوئی بات نہیں بلکہ ثقہ کی روایت صحیح و محفوظ ہوتی ہے۔

بعض لوگوں نے مثلاً شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت پر جرح کی ہے جو اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کی روشنی میں باطل و مردود ہے۔ سعید بن ابی ہلال کا مختلط ہونا ثابت نہیں اور اگر ثابت بھی ہوتا تو یہ روایت اختلاط سے پہلے کی ہے۔

۳۴۲) وَ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَ أَبَابَكْرٍ رضی اللہ عنہ وَ عُمَرَ رضی اللہ عنہ كَانُوْا يَفْتَتِحُوْنَ الصَّلٰوةَ بـ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَ زَادَ مُسْلِمٌ لَا يَذْكُرُوْنَ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فِيْ أَوَّلِ قِرَاءَةٍ فِيْ اٰخِرِهَا۔

اور انس رضی اللہ عنہ نے روایت ہے کہ نبی ﷺ، ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ (اپنی) نماز ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کے ساتھ شروع کرتے تھے۔

اسے شیخین (بخاری: ۷۴۳، مسلم: ۳۹۹) نے روایت کیا ہے۔

اور مسلم (۳۹۹/۸۹۲) کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ وہ قراءت کے شروع یا آخر میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کا ذکر (جہراً) نہیں کرتے تھے۔

انوار السنن: اس کی سند صحیح ہے۔

اس حدیث کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں:

اول: نبی ﷺ اپنے زمانے میں، ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ اپنے زمانے میں اور عمر رضی اللہ عنہ اپنے زمانے میں جب امامت کرتے تو سورۂ فاتحہ سے قراءت شروع کرتے تھے، یہی مفہوم ظاہر و راجح ہے۔

دوم: نبی ﷺ امام ہونے کی حیثیت میں اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما مقتدی ہونے کی حالت میں اپنی نمازیں سورۂ فاتحہ سے شروع کرتے تھے۔ اس سے فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ

ثابت ہوتا ہے اور امام بخاری کا اس حدیث کو جزء القراءۃ میں روایت کرنا اس طرف اشارہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس دوسرے مفہوم کو بھی صحیح سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم

بعض لوگوں کا اسے معلول قرار دینا غلط ہے۔

۳۴۳) وَ عَنْهُ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَ أَبِيْ بَكْرٍ رضی اللہ عنہ وَ عُمَرَ رضی اللہ عنہ وَ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِّنْهُمْ يَقْرَأُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

اور انھی (سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ، ابو بکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ (یا ان کی اقتدا میں) نماز پڑھی ہے، لیکن میں نے ان میں سے کسی کو بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم (جہراً) پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔

اسے مسلم (399) نے روایت کیا ہے۔

انوار السنن: اس کی سند صحیح ہے۔ والحمد للہ

یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم سراً پڑھتے تھے، اس حدیث سے یہ مطلب نکالنا کہ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پڑھتے ہی نہیں تھے غلط ہے۔

۳۴۴) وَ عَنْهُ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَ أَبِيْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ رضی اللہ عنہم فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِّنْهُمْ يَجْهَرُ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَ اٰخَرُوْنَ وَ إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

اور انھی (سیدنا انس رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ، ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہے، لیکن ان میں سے کسی کو بھی ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ جہراً پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔ اسے نسائی (۳/۱۳۵ ح ۹۰۸) اور دیگر (محدثین) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ **انوار السنن: صحیح ہے۔**

یعنی عام طور پر وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم جہراً نہیں پڑھتے تھے، ورنہ عبدالرحمن بن ابزیٰ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے عمر (رضی اللہ عنہ) کے پیچھے نماز پڑھی تو انھوں نے

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ جہراً پڑھی۔

(مصنف ابن ابی شیبه ۱/٤۱۲، شرح معانی الآثار للطحاوی ۱/۱۳۷، السنن الکبریٰ للبیهقی ۲/٤۸ وسنده صحیح)

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم وغیرہم سے بھی جہراً بسملہ ثابت ہے۔

دیکھئے مختصرالجهر بالبسملة للخطیب : تلخیص الذهبی (ص ۱۸۰ ح ٤۱) وصححه الذهبی۔

لہٰذا بسم اللہ...... جہراً بھی جائز ہے اور سراً بھی لیکن سراً پڑھنا افضل ہے۔ واللہ اعلم

۳٤۵) وَ عَنِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ سَمِعَنِيْ أَبِيْ وَ أَنَا فِي الصَّلٰوةِ، أَقُوْلُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فَقَالَ لِيْ أَيْ بُنَيَّ مُحْدَثٌ إِيَّاكَ وَالْحَدَثَ قَالَ وَ لَمْ اَرَ أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ كَانَ أَبْغَضُ إِلَيْهِ الحَدَثَ فِالْإِسْلَامِ يَعْنِي مِنْهُ وَ قَالَ قَدْ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَ مَعَ أَبِيْ بَكْرٍ رضی الله عنه وَ عُمَرَ رضی الله عنه وَ مَعَ عُثْمَانَ رضی الله عنه فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقُوْلُهَا فَلَا تَقُلْهَا إِذَا أَنْتَ صَلَّيْتَ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ حَسَّنَهٗ۔

اور عبداللہ بن مغفل (رضی اللہ عنہ) کے بیٹے (؟) سے روایت ہے کہ میرے والد نے مجھ سے سنا، جبکہ میں نماز میں: بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ رہا تھا تو انھوں نے فرمایا: میرے بیٹے! یہ بدعت ہے اور بدعت سے بچو، میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو دیکھا، ان کے نزدیک اسلام میں بدعت سے زیادہ ناپسندیدہ ومبغوض کوئی چیز نہیں تھی، انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ، ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، اور عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے، اُن میں سے کسی کو بھی یہ پڑھتے ہوئے نہیں سنا، لہٰذا تو بھی اسے نہ پڑھ جب تو نماز پڑھے

تو الحمد للہ رب العالمین کہہ۔

اسے ترمذی (۲٤٤)، نسائی ۲/۱۳۵ ح ۹۰۷ اور ابن ماجه : ۸۱۵) نے روایت کیا ہے، نیز ترمذی نے حسن کہا ہے۔

انوار السنن: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس میں عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا بیٹا مجہول الحال ہے۔ اسے امام ترمذی کے سوا کسی نے بھی ثقہ قرار نہیں دیا اور امام ترمذی تفرد کی صورت میں متساہل فی التوثیق ہیں۔

۳٤٦) وَ عَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنه فِي الْجَهْرِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قَالَ: ذٰلِكَ فِعْلُ الْأَعْرَابِ ۔ رَوَاهُ الطَّحَاوِيُّ وَ إِسْنَادُهٗ حَسَنٌ۔

اور عکرمہ (ثقہ تابعی رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم جہراً پڑھنے کے بارے میں فرمایا: یہ اعرابیوں (دیہاتیوں) کا فعل ہے۔

اسے طحاوی (۱/۲۰۴) نے روایت کیا اور اس کی سند حسن ہے۔

انوار السنن: اس کی سند حسن ہے۔

بَاب: فِيْ قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ
قراءتِ فاتحہ کا بیان

۳٤۷) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی الله عنه قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: «لَاصَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ» رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ۔

عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے۔''

اسے ایک جماعت (بخاری : ۷۵٦،مسلم: ۳۹٤ ، ابوداود : ۸۲۲ ، ترمذی: ۲٤۷، نسائی ۲/ ۱۳۷ ح ۹۱۱، ابن ماجه: ۸۳۷، احمد ۵/ ۳۱٤) نے روایت کیا ہے۔

مكتبة الحديث،حضرو

٣٤٨) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: «مَنْ صَلّٰى صَلٰوةً لَّمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَهِيَ خِدَاجٌ۔» يَقُوْلُهَا ثَلَاثًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کوئی ایسی نماز پڑھے جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو وہ نماز ناقص (باطل) ہے۔'' آپ نے یہ بات تین دفعہ فرمائی۔

اسے مسلم (٣٩٥) نے روایت کیا ہے۔

انوار السنن: صحیح ہے، نیز دیکھئے حدیث: ٣٥٧۔

وہاں یہ حدیث مطول ہے اور راویٔ حدیث (سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) کا فتویٰ بھی موجود ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ دل میں (یعنی سراً) پڑھ۔ ملاحظہ حدیث: ٣٥٨۔

٣٤٩) وَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: «مَنْ صَلّٰى صَلٰوةً لَمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ فَهِيَ خِدَاجٌ۔» رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ ابْنُ مَاجَهَ وَ الطَّحَاوِيُّ وَ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جو شخص ایسی نماز پڑھے جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو وہ ناقص (باطل) ہے۔''

اسے احمد (٦/ ١٤٢، ٢٧٥) ابن ماجه [٨٤٠ بلفظ: ((كُلُّ صَلٰوةٍ لَا يُقْرَأُ فِيْهَا بِأُمِّ الْكِتَابِ فَهِيَ خِدَاجٌ ۔))] اور طحاوی (١/ ٢١٥) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

انوار السنن: حسن ہے۔

اس روایت میں محمد بن اسحاق بن یسار نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔

سنن ابن ماجہ کے متن کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''ہر نماز جس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص (باطل) ہے۔''

حافظ ابن الجوزی نے خداج کا معنی باطل کیا ہے۔ دیکھئے کشف المشکل من حدیث الصحیحین (٣/٥٨٣)

لغت کی کتاب القاموس الوحید میں لکھا ہوا ہے: ''أخدج الصلوة: اچھی طرح نماز نہ پڑھنا، بعض ارکان میں کمی کرنا۔ (ص ٤١٣)

اور یہ معلوم ہے کہ ارکان میں جب کمی ہوگی تو نماز باطل ہی ہوگی۔

تنبیہ: اس حدیث کی راویہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فاتحہ خلف الامام کی قائل تھیں۔

٣٥٠) وَ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: أُمِرْنَا أَنْ نَّقْرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَ مَا تَيَسَّرَ۔ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَ أَحْمَدُ وَ أَبُوْ يَعْلٰى وَ ابْنُ حِبَّانَ وَ إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ۔

اور ابو سعید (الخدری) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم فاتحۃ الکتاب اور جو میسر ہو (نماز میں) پڑھیں۔ اسے ابو داود (٨١٨) احمد (٣/٣٠) ابو یعلیٰ (٢/٤١٧ ح ١٢١٠) اور ابن حبان (الاحسان: ١٧٨٧) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

انوار السنن: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس میں قتادہ بن دعامہ ثقہ ہونے کے ساتھ زبردست قسم کے مدلس ہیں۔ (تقدم: ٢٥٩)

روایت عن سے ہے، لہٰذا اسے نیموی صاحب کا ''و إسناده صحيح'' لکھنا بہت ہی عجیب و غریب ہے۔

٣٥١) وَ عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ الزُّرَقِيِّ رضی اللہ عنہ وَ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ وَّ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى قَرِيْبًا مِّنْهُ ثُمَّ انْصَرَفَ إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالَ لَهٗ: «أَعِدْ صَلٰوتَكَ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ» فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! عَلِّمْنِيْ كَيْفَ أَصْنَعُ، قَالَ: «إِذَا اسْتَقْبَلْتَ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ

ثُمَّ اقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا شِئْتَ فَإِذَا رَكَعْتَ فَاجْعَلْ رَاحَتَيْكَ عَلٰى رُكْبَتَيْكَ وَامْدُدْ ظَهْرَكَ وَ مَكِّنْ لِرُكُوْعِكَ فَإِذَا رَفَعْتَ رَأْسَكَ فَأَقِمْ صُلْبَكَ حَتّٰى تَرْجِعَ الْعِظَامُ إِلٰى مَفَاصِلِهَا فَإِذَا سَجَدْتَّ فَمَكِّنْ لِسُجُوْدِكَ فَإِذَا رَفَعْتَ رَأْسَكَ فَاجْلِسْ عَلٰى فَخِذِكَ الْيُسْرٰى ثُمَّ اصْنَعْ ذٰلِكَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ۔)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ۔

اور نبی ﷺ کے صحابہ میں سے رفاعہ بن رافع الزرقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی آیا اور رسول اللہ ﷺ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، اس نے آپ کے قریب نماز پڑھی، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے فرمایا: ''اپنی نماز دوبارہ پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی (یعنی تیری نماز نہیں ہوئی)'' اس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے سکھادیں کہ میں کس طرح کروں؟ آپ نے فرمایا: ''جب تو قبلے کی طرف رُخ کرے تو تکبیر کہہ، پھر سورۂ فاتحہ پڑھ، پھر جو چاہے پڑھ۔ پھر جب رکوع کرے تو اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھ اور پشت لمبی کر اور مضبوطی سے رکوع کر، پھر جب اپنا سر اُٹھائے تو پیٹھ سیدھی کر حتیٰ کہ ہڈیاں اپنے جوڑوں تک پہنچ جائیں، پھر جب تو سجدہ کرے تو مضبوطی سے سجدہ کر، پھر جب سجدے سے سر اُٹھائے تو بائیں ران پر بیٹھ جا، پھر ہر رکعت میں اسی طرح کر۔''

اسے احمد (۴/ ۳۴۰) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

انوار السنن: اس کی سند حسن ہے۔

معلوم ہوا کہ قبلہ رُخ ہونا، تکبیر کہنا اور سورۂ فاتحہ پڑھنا نماز کے ارکان اور فرائض ہیں۔

پھر جو چاہے پڑھ میں اختیار دیا گیا ہے، لہٰذا یہ پڑھنا رکن نہیں بلکہ سنت و مستحب ہے۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ رکوع و سجود صحیح طریقے سے

نہیں کر رہا تھا تو آپ نے فرمایا: ''مَا صَلَّيْتَ وَ لَوْ مُتَّ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ الْفِطْرَةِ الَّتِيْ فَطَرَ اللّٰهُ مُحَمَّدًا ﷺ'' تو نے نماز نہیں پڑھی اور اگر تو (اس حالت میں) مرجاتا تو اس فطرت (دین اسلام) پر نہ مرتا جس پر اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مامور کیا تھا۔
(صحيح البخاري ۱/۱۰۹ ح ۷۹۱)

معلوم ہوا کہ اطمینان سے رکوع کرنا، رکوع سے صحیح طور پر کھڑے ہونا، سجدہ کرنا اور سجدے سے اُٹھ کر بیٹھنا یہ سب ارکانِ نماز ہیں۔

امام بغوی نے شرح السنۃ (۳/ ۱۰ ح ۵۵۴) میں یہ حدیث درج ذیل الفاظ سے بیان کی ہے: ((إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَ مَا تَيَسَّرَ ثُمَّ ارْكَعْ......)) ''جب نماز کی اقامت ہوجائے تو تکبیر کہہ، پھر سورۂ فاتحہ پڑھ اور جو میسر ہو پڑھ، پھر رکوع کر۔'' إلخ یہ روایت بیان کرنے کے بعد امام بغوی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی کو سورۂ فاتحہ اور ما تیسر پڑھنا چاہیے۔ ما تیسر جہری نمازوں میں تو (لقمے کے علاوہ) ممنوع ہے۔ دیکھئے حدیث: ۳۵۴ (وسنده حسن لذاته) اور سری نمازوں میں جائز ہے لیکن ضروری نہیں، جیسا کہ حاشیہ نمبر ۲ میں گزر چکا ہے۔

بَابٌ: فِي الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ

امام کے پیچھے قراءت کا بیان

۳۵۲) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔)) رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَ قَدْ تَقَدَّمَ حَدِيْثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضي الله عنه وَ عَائِشَةَ رضي الله عنها ۔قَالَ النِّيْمَوِيُّ

وَ فِی الْإِسْتِدْلَالِ بِھٰذِہِ الْأَحَادِیْثِ نَظَرٌ۔

عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اس شخص کی نماز نہیں جو نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے۔''

اسے شیخین (البخاری : ۷۵٦، مسلم : ۳۹٤) نے روایت کیا ہے۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثیں گزر چکی ہیں۔

نیموی نے کہا: ان احادیث کے ساتھ استدلال میں نظر ہے۔

انوار السنن: صحیح ہے۔

دیکھئے احادیث سابق: ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹

استدلال کی دو قسمیں ہوتی ہیں: خاص دلیل اور عام دلیل

فاتحہ خلف الامام کے لیے خاص دلائل کے لیے دیکھئے احادیث : ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵٦، ۳۵۷، ۳۵۸۔

رہے عام دلائل تو ان سے استدلال ہر گروہ کرتا ہے، مثلاً : فاتحہ خلف الامام کے خلاف نیموی صاحب نے آیت: ﴿ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ ''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش ہو جاؤ تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔'' (الاعراف : ۲۰۴) پیش کی ہے، حالانکہ اس میں نہ تو سورۂ فاتحہ کا ذکر ہے اور نہ نماز کا، نہ امام کا ذکر ہے اور نہ مقتدی کا، پھر بھی یہ لوگ اسے سورۂ فاتحہ کے خلاف پیش کئے جا رہے ہیں۔ جب یہ لوگ خود عام دلائل سے استدلال کرتے ہیں تو ان کے نزدیک اس استدلال میں کوئی نظر نہیں ہوتی اور اگر فریقِ مخالف عام دلائل سے استدلال کرے تو یہ لوگ سخت ناراض ہوتے ہیں اور شور مچانا شروع کر دیتے ہیں کہ اس استدلال میں نظر ہے اور یہ کہ اس میں خلف الامام کا ذکر نہیں ہے۔ سبحان اللہ!

قومِ شعیب (علیہ السلام) کی طرح دوہرے ترازوں رکھنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟

۳۵۳) وَ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَقَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ: ((لَعَلَّكُمْ تَقْرَءُوْنَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ)) قُلْنَا: نَعَمْ هَذًّا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: ((لَا تَفْعَلُوْا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ يَقْرَأْبِهَا۔)) رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَ التِّرْمَذِيُّ وَ الْبُخَارِيُّ فِيْ جُزْءِ الْقِرَاءَةِ وَ آخَرُوْنَ۔ قَالَ النِّيْمَوِيُّ فِيْهِ: مَكْحُوْلٌ وَّ هُوَ يُدَلِّسُ رَوَاهُ مُعَنْعَنًا وَّ قَدِ اضْطَرَبَ فِيْ إِسْنَادِهِ وَ مَعَ ذٰلِكَ قَدْ تَفَرَّدَ بِذِكْرِ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ عَنْ عُبَادَةَ فِيْ طَرِيْقِ مَكْحُوْلٍ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ وَ هُوَ لَا يُحْتَجُّ بِمَا انْفَرَدَ بِهِ فَالْحَدِيْثُ مَعْلُوْلٌ بِثَلَاثَةِ وُجُوْهٍ۔

اور انھی (سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے فجر کی نماز میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے قراءت فرمائی تو آپ پر قراءت بھاری ہوگئی، پھر جب آپ (نماز سے) فارغ ہوئے تو فرمایا: ''شاید تم امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو؟'' ہم نے کہا: جی ہاں، جلدی جلدی (پڑھ لیتے ہیں) یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: ''ایسا نہ کرو، سوائے سورۂ فاتحہ (پڑھنے) کے، کیونکہ جو شخص اسے نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔''

اسے ابو داود (۸۲۳) ترمذی (۳۱۱) اور بخاری نے جزء القراءۃ (۱۵۸) میں اور دوسروں نے (بھی) اسے روایت کیا ہے۔ (۱) نیموی نے کہا: اس میں مکحول ہے جو تدلیس کرتا تھا، اس نے یہ روایت عن سے بیان کی ہے (۲) اور اسے اس کی سند میں اضطراب ہوا ہے (۳) اور اس کے ساتھ مکحول کی سند میں محمود بن الربیع عن عبادہ بیان کرنے میں محمد بن اسحاق (بن یسار) منفرد ہیں اور اگر وہ منفرد ہوں تو ان کے ساتھ حجت نہیں پکڑی جاتی (۴) پس یہ حدیث تین وجہ سے معلول ہے۔ (۵)

انوار السنن: اس کی سند حسن لذاتہ ہے۔

اسے ترمذی نے حسن، ابن خزیمہ (۱۵۸۱) اور ابن حبان (۱۷۸۵) نے صحیح قرار دیا ہے۔

مکحول کے بارے میں راجح یہ ہے کہ وہ تدلیس سے بری ہیں۔
(دیکھئے الفتح المبین ص۱۲۷)

ان پر تدلیس کا الزام متقدمین میں سے صرف ابن حبان اور متاخرین میں سے حافظ ذہبی نے لگایا ہے اور یہ دونوں بزرگ ارسال کو بھی تدلیس سمجھتے ہیں۔ مثلاً دیکھئے کتاب الثقات لابن حبان (۶/۹۸، ۵/۴۴۷) اور میزان الاعتدال (۴/۱۷۷) وغیرہ۔

بطورِ نصیحت عرض ہے کہ یہاں تو نیموی صاحب کو مکحول کی تدلیس یاد آ گئی، جبکہ اپنی اس کتاب میں وہ بذاتِ خود بہت سے مدلسین کی روایات کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ مثلاً قتادہ، ابو اسحاق السبیعی، سفیان ثوری اور اعمش وغیرہ مدلسین کی روایات، لہٰذا یہ کیا انصاف ہوا کہ اگر اپنی روایت میں ثابت شدہ مدلس ہے تو بھی اس کی سند صحیح یا حسن ہے اور اگر مخالف کی روایت میں ایسا راوی ہے جسے مدلس کہا گیا ہے اور یہ کہنا مرجوح بھی ہے لیکن یہ روایت اب اس کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ سبحان اللہ!

کیسا انصاف ہے؟ بلکہ نیموی صاحب ابو الزبیر کو مدلس کہتے ہیں۔
(آثار السنن :۸۶۲)

پھر اپنی اسی کتاب میں ابو الزبیر کی عن والی روایت کو "و إسناده صحيح" کہتے ہیں۔ (آثار السنن : ۱۸۸)

جب حدیث مرضی کے خلاف ہو تو انھیں تدلیس یاد آ جاتی ہے اور کہتے ہیں:
"عنعنة المدلس لا يحتج بها لمظنة التدليس" تدلیس کے گمان کی وجہ سے مدلس کی عن والی روایت سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔
(التعلیق الحسن ص ۱۶۰ تحت ح ۳۵۳)

اور جب مرضی کے مطابق ہو تو قتادہ، ابو الزبیر، زہری، محمد بن عجلان، ابو اسحاق السبیعی، سفیان ثوری، شریک القاضی اور سعید بن ابی عروبہ وغیرہ مدلسین کی روایات کو بھی صحیح و حسن کہتے ہیں یا بطورِ حجت پیش کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ امام مکحول تدلیس سے بری ہیں اور اگر انھیں بفرضِ محال مدلس مان بھی لیا جائے تب بھی ان کی روایت کے صحیح شواہد موجود ہیں، مثلاً دیکھئے حدیث: ۳۵۴۔

تنبیہ بلیغ: نیموی صاحب نے التعلیق الحسن میں مکحول پر ابن سعد کی جرح بھی نقل کر دی ہے (ص ۱۵۹) اور اپنی اسی کتاب (ص ۱۱۳) میں (حدیث: ۲۳۸) مکحول کی بیان کردہ ایک حدیث کو "إسناده صحيح" لکھا ہے۔ سبحان اللہ!

امام مکحول الشامی کی جمہور محدثین نے زبردست توثیق کی ہے، لہٰذا وہ ثقہ ہیں اور اُن پر جرح مردود ہے۔

اس پر موہوم اضطراب کی حقیقت درج ذیل ہے:

۱: مكحول عن محمود بن ربيع عن عبادة (رواية محمد بن اسحاق بن يسار)

۲: مكحول عن نافع بن محمود عن عبادة۔

۳: مكحول عن محمود بن ربيع عن أبي نعيم أنه سمع عبادة۔

٤: مكحول عن عبادة۔

اس میں پہلی دونوں سندیں صحیح غیر مضطرب ہیں کیونکہ دنیا میں ایسی کوئی دلیل نہیں کہ سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کے دو شاگرد محمود بن الربیع رحمہ اللہ اور نافع بن محمود رحمہ اللہ نہیں تھے اور ایسی بھی کوئی دلیل نہیں کہ مکحول ان دونوں سے روایت نہیں کر سکتے، لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ امام مکحول نے محمود بن ربیع اور نافع بن محمود رحمہما اللہ دونوں سے سنا ہے، لہٰذا دعویٔ اضطراب باطل ہوا۔

چوتھی روایت میں پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں کیونکہ راوی بعض اوقات

پوری سند بیان کر دیتا ہے اور بعض اوقات اختصار کر کے اپنی روایت مرسل بیان کر دیتا ہے۔ خود نیموی صاحب فرماتے ہیں: ”وَ الثِّقَةُ يَسْنُدُ الْحَدِيْثِ تَارَةً وَ يُرْسِلُهُ أُخْرَى“ اور ثقہ راوی بعض اوقات حدیث کو باسند (متصل) بیان کرتا ہے اور دوسری دفعہ مرسل بیان کر دیتا ہے۔ (التعليق الحسن ص ١٧٨ تحت ح ٣٦٤)

ایک حدیث کے موقوف و مرفوع اور متصل و مرسل ہونے میں اختلاف ہے۔ یہ اختلاف ذکر کرنے کے بعد نیموی صاحب فرماتے ہیں: ” وَ لَيْسَ ذٰلِكَ بِعِلَّةٍ قَادِحَةٍ“ اور یہ علتِ قادحہ نہیں ہے۔ (التعليق الحسن ص ٣٧ تحت ح ٤٧)

جب یہ وہاں علتِ قادحہ نہیں تو مکحول کی حدیث میں کیوں علتِ قادحہ ہوگئی؟

باقی رہ گئی صرف ایک روایت ”مكحول عن محمود عن أَبي نُعيم عن عبادة“ تو اس کے راویٔ حدیث امام یحییٰ بن محمد بن صاعد نے فرمایا: ولید بن مسلم کو اس میں وہم ہوا ہے۔ محدثین میں سے کسی نے بھی امام ابن صاعد کی مخالفت نہیں کی اور نہ ولید بن مسلم کی اس روایت کو صحیح کہا ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ اس سند کے وہم و خطا ہونے پر اجماع ہے۔ اب اس اجماع کے مقابلے میں نیموی صاحب نے امام ابن صاعد کے قول کو مجرد بے دلیل گمان اور تحکم قرار دیا ہے۔ (التعليق الحسن ص ١٦٠)

نیموی صاحب اگر زمانۂ تدوینِ حدیث کے کوئی ثقہ راوی یا امام ہوتے تو ان کی بات پر غور کیا جا سکتا تھا مگر زمانۂ تدوینِ حدیث سے صدیاں گزر جانے کے بعد تقلید کے اندھیروں میں پھنسے ہوئے ایک مولوی کے قول کی بنیاد پر ثقہ امام ابن صاعد رحمہ اللہ کے تحقیقی اور اجماعی فیصلے کو کیوں کر رد کیا جا سکتا ہے؟

معلوم ہوا کہ مذکورہ حدیث میں اضطراب کا دعویٰ باطل ہے بلکہ اصل اضطراب اس شخص کے ذہن میں ہے جو اپنی مرضی کی حدیثوں کو صحیح اور اپنی خواہشات کے خلاف حدیثوں کو ضعیف قرار دیتا ہے۔ مرضی والی روایات کے مدلس راویوں کی عن والی روایات کو صحیح اور مرضی کے خلاف غیر مدلس راویوں کی روایات کو شاذ، مضطرب اور ضعیف وغیرہ قرار دیتا ہے بلکہ ایک ہی راوی کی حدیث کو ایک جگہ ضعیف اور دوسری جگہ

الحدیث 127-128

صحیح قرار دیتا ہے۔ مثلاً دیکھئے آثار السنن (٩٦٠ عيسىٰ بن جارية صحيح له / ٧٧٣ عيسىٰ بن جارية ضعف له مقبولة : و في إسناده لين) سبحان اللہ!

نیموی صاحب کا یہاں محمد بن اسحاق پر جرح کرنا بہت بڑا عجوبہ ہے جس کا رد خود نیموی صاحب کے قلم سے پیش خدمت ہے:

۱: نیموی صاحب نے آثار السنن میں محمد بن اسحاق بن یسار کی بیان کردہ درج ذیل روایات کو ” وإسناده حسن “قرار دیا ہے: ۳۹، ۱۲۱، ۲۲۵، ۲۳۲۔

نیموی صاحب نے آثار السنن میں محمد بن اسحاق کی درج ذیل روایات کو ” وإسناده صحيح “ قرار دیا ہے: ۸۳۴، ۸۴۹، ۹۱۳۔ اور حدیث: ۱۰۸۰، جسے محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے: ”و إسناده مرسل قوي“ إلخ قرار دیا ہے۔ (ص ۵۳۴)

ایک راوی کی بیان کردہ اپنی مرضی کی روایات کو حسن، صحیح اور قوی قرار دینا اور مخالف کی روایت میں اسی راوی پر جرح کر دینا ظلم نہیں تو کیا ہے؟

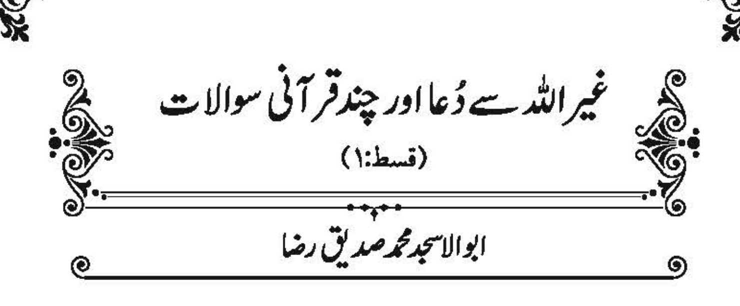
ہم نے اس مفصل تحقیق سے ثابت کر دیا ہے کہ نیموی صاحب کی بنائی ہوئی یہ تینوں علتیں باطل ہیں اور یہ حدیث حسن لذاتہ اور غیر معلول ہے۔ والحمد للہ

احادیث پڑھنا پڑھانا بہترین مصروفیت ہے

امام نعیم بن حماد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عبداللہ بن مبارک (رحمہ اللہ) اکثر اپنے گھر ہی میں رہتے تھے۔ ان سے کہا گیا: آپ اکثر اپنے گھر ہی میں رہتے ہیں، کیا آپ کو (تنہائی کی وجہ سے) وحشت نہیں ہوتی؟ آپ نے فرمایا: ”كَيْفَ أَسْتَوْحِشُ وَأَنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَأَصْحَابِهِ وَالتَّابِعِيْنَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ؟“ مجھے وحشت کیسے ہو سکتی ہے؟ جبکہ میں (احادیث پڑھنے پڑھانے میں ایسا مشغول رہتا ہوں کہ گویا) نبی ﷺ، آپ کے صحابہ اور تابعین کے ساتھ ہوتا ہوں۔

(شعب الايمان للبيهقي: ٣/ ٢٨٢ ح : ١٦٥٤ وسنده حسن)

مکتبة الحديث،حضرو



غیر اللہ سے دُعا اور چند قرآنی سوالات

(قسط:۱)

ابو الاسجد محمد صدیق رضا

دعا اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے، مومن کا اسلحہ ہے، انبیاء کی سنت اور صالحین کا طریقہ ہے۔ وسعت ہو یا تنگی ہر حال میں دعا کی اہمیت مسلّم ہے اور مومن کے لئے ہر حال میں یہ ایک مرغوب عمل ہے۔ ہر انسان کی زندگی میں ایسے کئی مراحل آتے ہیں کہ جس میں اسے دعا کی احتیاج پیش آتی ہے، انسان ہی کی ضرورت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دعا مانگنے کا حکم دیا، اور قرآن مجید و احادیث مبارکہ میں ہر جگہ اللہ تعالیٰ ہی سے دعا مانگنے کا حکم ہے اور اسی کی ترغیب و ہدایت بیان ہوئی ہے۔ غیر اللہ سے دعا مانگنے کا نہ صرف یہ کہ حکم نہیں بلکہ اس کی مذمت بھی وارد ہوئی ہے۔ بطورِ مثال چند آیات ملاحظہ کیجئے:

1: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾

"اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ بے شک حد سے بڑھنے والے اُسے پسند نہیں۔" (الاعراف:55 ترجمہ از احمد رضا خان صاحب)

۱: اس آیت کی تفسیر میں نعیم الدین مرادآبادی صاحب نے لکھا: "دعا اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرنے کو کہتے ہیں اور یہ داخلِ عبادت ہے" (نور العرفان)

۲: جناب محمد کرم شاہ الازہری صاحب نے اسی آیت کی تفسیر میں لکھا:

"اپنی تمام حاجات اور مشکلات میں بارگاہِ الٰہی میں رجوع کا حکم دیا جا رہا ہے" (ضیاء القرآن 38/2)

یہ ان لوگوں کی تفسیریں ہیں جو غیر اللہ سے دعا و فریاد کے قائل و فاعل ہیں اور اس پر مُصر بھی ہیں، لیکن قرآن مجید کی ان آیات کا مفہوم واضح کرتے ہوئے اعتراف کر چکے ہیں کہ "اپنی تمام حاجات اور مشکلات میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا حکم ہے۔" کاش! عملاً بھی اسے تسلیم کرتے۔

2: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَ ادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ "اور اس (رب) سے دعا کرو ڈرتے اور طمع کرتے بیشک اللہ کی رحمت قریب ہے نیکی کرنے والوں سے۔"

(الاعراف: 56، ترجمہ از احمد سعید کاظمی صاحب، البیان ص252)

3: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ﴾ (البقرۃ: 186)

اس آیت کا ترجمہ و تفسیر جناب غلام رسول سعیدی صاحب کے قلم سے ملاحظہ کیجئے، لکھا ہے:

ترجمہ: "اور (اے رسول) جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں (تو آپ فرما دیں) بے شک میں ان کے قریب ہوں، دعا کرنے والا جب دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو چاہیے کہ وہ (بھی) میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان برقرار رکھیں تاکہ وہ کامیابی حاصل کریں۔" (تبیان القرآن 690/1)

اور اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"ہمارے زمانے میں بعض جہلا اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے بجائے اپنی حاجتوں کا سوال پیروں، فقیروں سے کرتے ہیں اور قبروں اور آستانوں پر جا کر اپنی حاجات بیان کرتے ہیں اور اولیاء اللہ کی نذر مانتے ہیں، حالانکہ ہر چیز کی دعا اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہیے اور اسی کی نذر ماننی چاہیے، کیونکہ دعا اور نذر دونوں عبادت ہیں اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں۔"

(تبیان القرآن ۱/ ۶۹۱، ۶۹۲ مطبوع فرید بک سٹال، لاہور)

سعیدی صاحب یہاں اعتراف کر رہے ہیں کہ بعض لوگ اللہ سے دعا کے بجائے پیروں فقیروں، قبروں اور آستانوں پر اپنی حاجات کا سوال کرتے ہیں، حالانکہ ہر چیز کی دعا اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہیے، لیکن ان کے ہم مسلک سعیدی صاحب کی بات مانتے نظر نہیں آتے کیونکہ اللہ کے بجائے اونچی قبروں والوں سے دعائیں مانگتے ہیں!!!

سعیدی صاحب نے یہ اعتراف بھی کیا کہ ''دعا عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں'' البتہ یہ نہیں بتلایا کہ یہ ''ناجائز'' کی کونسی اقسام میں سے ہے؟ اس کی وضاحت مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب سے سن لیں، لکھتے ہیں:

''غیر خدا کی عبادت مطلقاً شرک ہے زندہ کی ہو یا مردہ کی۔''

(جاء الحق ص218 مطبوع ضیاء الدین پبلیکیشنز)

المختصر! سعیدی صاحب کو تسلیم ہے کہ ''دعا عبادت ہے' اور نعیمی صاحب کا اعلان ہے کہ ''غیر اللہ کی عبادت مطلقاً شرک ہے'' اللہ تعالیٰ ان کو شرک سے بچتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

باقی رہا سعیدی صاحب کا یہ کہنا: ''ہمارے زمانے کے بعض جہلا'' تو عرض ہے کہ ''بعض جہلا'' نہیں بلکہ بہت سے لوگ ایسا کرتے ہیں۔ پھر آپ قبروں و آستانوں پر اور پیروں فقیروں سے اپنی حاجات طلب کرنے والوں کو ''جہلا'' قرار دے رہے ہیں، حالانکہ ان کے مسلک میں بڑے بڑے القابات کے حامل لوگ اس کے مرتکب ہیں، جو علماء سمجھے جاتے ہیں۔

۱: جناب مفتی احمد یار خان نعیمی گجراتی صاحب نے لکھا:

''نبی علیہ السلام و دیگر انبیائے کرام کے علاوہ اہل قبور سے دعا مانگنے کا بہت سے فقہاء نے انکار کیا ہے اور مشائخ صوفیہ اور بعض فقہاء نے اس کو ثابت کیا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ موسیٰ کاظم کی قبر قبولیت دعا کے لئے آزمودہ تریاق ہے اور امام غزالی نے فرمایا جس سے زندگی میں مدد مانگی جاسکتی ہے اس سے بعد وفات بھی مدد مانگی جاسکتی ہے۔'' (جاء الحق ص204)

امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب بات غیر ثابت اور بے اصل ہے، باقی اپنے حکیم الامت صاحب کی اس عبارت سے جناب سعیدی صاحب اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اولیاء کی قبروں پر جا کر ان سے اپنی حاجات طلب کرنا صرف ''جہلا'' ہی کا عقیدہ و عمل نہیں بلکہ ان کے ہاں تو ''فقہاء'' سمجھے جانے والے لوگ بھی ایسے اعمال کے مرتکب ہیں باقی صوفیا کے جو عقائد و نظریات ہیں ان سے تو یہ قطعاً بعید نہیں۔

۲: مفتی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''درمختار جلد سوم باب اللقطہ کے آخر میں گمی ہوئی چیز تلاش کرنے کیلئے ایک عمل لکھا: جس سے کوئی چیز گم ہو جاوے اور وہ چاہے کہ خدا وہ چیز واپس ملا دے تو کسی اونچی جگہ پر قبلہ کو منہ کر کے کھڑا ہو اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب نبی علیہ السلام کو ہدیہ کرے پھر سیدی احمد بن علوان کو پھر یہ دعا پڑھے اے میرے آقا، اے احمد بن علوان اگر آپ نے میری چیز نہ دی تو میں آپکو دفتر اولیاء سے نکال لونگا۔ پس خدا تعالیٰ اس کی گمی ہوئی چیز اُن کی برکت سے ملا دے گا۔ اس دعا میں سید احمد بن علوان کو پکارا بھی ان سے مدد مانگی اور گمی ہوئی چیز بھی طلب کی اور یہ دعا کس نے بتائی حنفیوں کے فقیہ اعظم صاحب درمختار'' (جاء الحق ص206-207)

یہی بات محمد فیض احمد اویسی صاحب نے اپنی کتاب ''ندائے یا رسول اللہ ﷺ مع جدید اضافہ'' (ص: 198) میں نقل کی۔

۳: اور یہی عبارت جناب غلام نصیر الدین سیالوی صاحب نے اپنی کتاب ''ندائے یا رسول اللہ ﷺ'' ص210 میں بحوالہ رد المحتار جلد 3 ص355 نقل کی ہے۔

کیا اتنے بڑے بڑے القاب والے لوگ بھی آپ کے ہاں ''جہلاء'' میں شمار ہوتے ہیں، جو غیر اللہ سے ''دعا'' کی تعلیم دے رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ﴾ ''اور تمھارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا بیشک

وہ جو میری عبادت سے اونچے کھینچے (تکبر کرتے) ہیں عنقریب جہنم میں جائیں گے ذلیل ہوکر" (المؤمن :60 ترجمہ از احمد رضا خان صاحب)

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ثُمَّ قَرَأَ: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ﴾

"دعا ہی عبادت ہے" پھر آپ ﷺ نے یہ (آیت) تلاوت فرمائی: "اور تمہارے رب نے کہا: مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے سرکشی اختیار کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل و خوار ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے۔"

(سنن الترمذی : 3372 وسندہ صحیح)

آیت کے پہلے حصے میں دعا کا حکم ہے اور دوسرے حصہ میں عبادت سے سرکشی کا برا انجام تو نبی کریم ﷺ نے واضح فرما دیا کہ عبادت سے مراد دعا ہی ہے۔ یعنی جو دعا مانگنے سے سرکشی کرے اپنے رب سے نہ مانگے وہ جہنم میں داخل ہوگا۔ پھر دعا عبادت ہونا فریق ثانی کے بہت سے علماء نے تسلیم کیا ہے۔

۱: مفتی احمد یار خان نعیمی نے لکھا: "دعا کے بعد عبادت کا ذکر فرمانے سے معلوم ہوا کہ دعا عبادت ہے" (مرآۃ المناجیح اردو شرح مشکوۃ المصابیح 3/294 مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات)

۲: مراد آبادی صاحب نے آیتِ بالا کی تفسیر میں لکھا:

"آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ہے کہ دعا سے مراد عبادت ہے اور قرآن کریم میں دعا بمعنی عبادت بہت جگہ وارد ہے حدیث شریف میں ہے الدعا هو العبادة (ابوداود وترمذی)" (خزائن العرفان)

۳: پیر کرم شاہ بھیروی صاحب نے لکھا: "حضرت ابن عباس سے ادعونی استجب لکم کی یہ تفسیر منقول ہے۔ اعبدونی اثیبکم: تم میری عبادت کرو میں

تمہیں اس کا ثواب اور اجر دوں گا۔ یہ قول ضحاک، مجاہد اور مفسرین کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ دیگر علماء نے اس کا یہ مفہوم بیان فرمایا ہے۔ اسئلونی اعطیکم: یعنی تم مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں گا۔ (معانی) حقیقت میں یہ دونوں تفسیریں ہم معنی ہیں۔ ان میں اصلاً کوئی تفاوت نہیں دعا عبادت کی روح اور اس کا مغز ہے۔ کیونکہ انتہا درجہ کی عاجزی و نیاز مندی کو عبادت کہتے ہیں اور اس کا ظہور صحیح معنوں میں اسی وقت ہوتا ہے جب انسان مصائب میں گھرا ہو...... جب ہر طرف سے امیدیں منقطع کر کے اپنے رب کریم کے درِ اقدس پر آکر سر نیاز جھکا دے...... نیز اسے یہ پختہ اعتماد ہو کہ یہاں سے کبھی کوئی سائل خالی نہیں گیا۔ میں کبھی خالی اور محروم نہیں لوٹا یا جاؤں گا۔ جو عجز و نیاز، جو غایت تذلل جو خشوع وخضوع اس وقت ظہور پذیر ہوتا ہے اس کی مثال کہاں ملے گی۔" (ضیاء القرآن 4/341)

بھیروی صاحب کے اس بیان سے واضح ہے کہ دعا صرف عبادت ہی نہیں بلکہ انتہائی عاجزی، انکساری اور انتہائی خشوع وخضوع پر مبنی عبادت ہے، اور صحیح معنوں میں عبادت کا ظہور دعا کے وقت ہوتا ہے۔

۱: غلام رسول سعیدی صاحب نے اسی آیت کی تفسیر میں لکھا:

"اللہ سے دعا کرنا اُس کی عبادت کرنا ہے" (تبیان القرآن 10/395)

تو غیر اللہ سے دعا مانگنا غیر اللہ کی عبادت ہوگی۔ الغرض دعا کا عبادت ہونا قرآن مجید کی آیت نبی ﷺ کی تفسیر سے ثابت ہے جو فریق ثانی کو بھی تسلیم ہے۔ عبادت تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی بھی عبادت ہو وہ یقینی طور پر شرک ٹھہرے گا۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں سے دعا مانگنے کا قائل ہے وہ درحقیقت اُن کی عبادت ہی کا قائل ہے اور اس کا شرک میں ملوث ہونا یقینی ہے۔ (اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ)

یاد رہے کہ عبادت کے معاملہ میں نہ "ذاتی" اور "عطائی" کی بحث کی کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی حقیقت ومجاز کی، چونکہ کوئی بھی مسلم ایسا قطعاً نہیں کہہ سکتا کہ"

ذاتی'' یا ''حقیقی'' طور پر اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے، وہی عبادت کے لائق ہے البتہ ''عطائی'' اور ''مجازی'' طور پر اللہ تعالیٰ کے محبوب ومقرب پیارے بندے، جیسے انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام بھی عبادت کے لائق ہیں، اُن کی عبادت بھی بطور مجاز برحق و جائز ہے (نعوذ باللہ) مفتی احمد یار خان صاحب کی بات دوبارہ ملاحظہ کیجئے، لکھا ہے:

''غیر خدا کی عبادت مطلقاً شرک ہے زندہ کی ہو یا مردے کی'' (جاء الحق ص218)

بات واضح ہے کہ غیر اللہ کی عبادت علی الاطلاق ہر صورت میں شرک ہے، تو جب دعا عبادت ہے بلکہ مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب نے تو یہ بھی لکھ رکھا ہے: ''دعا عبادت کا رکنِ اعلیٰ ہے۔'' (مرأة المناجیح اردو شرح مشکوٰۃ المصابیح 3/294) عبادت کا ادنیٰ فرد بھی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں ہوسکتا تو ''رکنِ اعلیٰ'' کس طرح جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟ لیکن ان تصریحات کے باوجود خود مفتی صاحب اپنی تالیف ''جاء الحق'' میں ''اہل قبور سے دعا مانگنا'' جائز قرار دے گئے ہیں۔ حوالے گزشتہ صفحات پر عرض کر دیے گئے ہیں۔ مزید دیکھئے وہ کیا کیا کوششیں فرماتے ہیں، لکھا ہے:

''اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا بھی عبادت ہے کہ اس میں اپنی بندگی اور رب تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار و اظہار ہے، یہ ہی عبادت ہے لہٰذا اس پر ثواب بھی ملے گا۔ لہٰذا اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی بندے سے کچھ مانگنا گویا اس کی عبادت ہے یہ شرک ہے۔ لہٰذا حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگنا حاکم سے حکیم سے مالداروں سے کچھ مانگنا نہ یہ اصطلاحی دعا ہے اور نہ کفر شرک ہے، بندے بندوں سے درود دعا مانگا ہی کرتے ہیں غرضیکہ دعا شرعی اور ہے اور دعائے لغوی کچھ اور۔'' (مرأة المناجیح 3/294)

مفتی صاحب نے جو عجیب وغریب باتیں لکھی ہیں محض اپنے خود ساختہ طریقہ کے دفاع میں وہ ان کے کام کی نہیں۔ چونکہ لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے سے مدد طلب کرنا، اولاد کا والدین سے یا والدین کا اولاد سے، بھائی بہنوں کا ایک دوسرے، دوست واحباب سے، حکومت یا پولیس سے یا مریضوں کا طبیب سے، دوا سے مدد لینا ''دعا'' قطعاً نہیں، پھر ایسی کسی بھی مدد میں ''دعا'' کا تصور تک نہیں ہوتا۔

غیر ثابت قصے

اہبان بن صیفی رضی اللہ عنہ کی قمیص کا واقعہ

نوید شوکت (ڈربی، برطانیہ)

عدیسہ بنت اہبان کہتی ہیں: جب میرے والد کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے کہا: مجھے سلے ہوئے کپڑے میں کفن نہ دینا۔ جب وہ فوت ہوئے اور انھیں غسل دیا گیا تو انھوں (غسل دینے والوں) نے میری طرف پیغام دے کر بھیجا کہ میں کفن بھیجوں، چنانچہ میں نے انہیں کفن بھیجا۔ انھوں نے کہا: قمیص (کہاں ہے؟) میں نے کہا: میرے والد نے منع کیا تھا کہ میں ان کو سلی ہوئی قمیص میں کفن دوں۔ میں نے ایک آدمی کو دھوبی کی طرف بھیجا (کیونکہ) میرے والد کی قمیص دھوبی کے پاس تھی۔ پس وہ اسے لے آیا اور انھیں پہنائی، پھر انہیں لے گئے۔ میں نے اپنا دروازہ بند کیا اور ان کے پیچھے چلی اور جب میں واپس آئی تو قمیص گھر میں تھی۔ میں نے ایک آدمی کو ان کی طرف بھیجا جنھوں نے میرے والد کو غسل دیا تھا۔ میں نے کہا: تم نے ان کو قمیص میں کفن دیا ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ میں نے کہا: کیا یہ وہی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں۔

اس واقعہ کی بنیادی سند درج ذیل ہے:

۱: امام طبرانی رحمہ اللہ نے کہا: ثَنَا أَبُوْ مُسْلِمٍ الْكَشِّيُّ ثَنَا عُثْمَانُ بْنُ الْمُسْلِمِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُبَيْدٍ عَنْ عُدَيْسَةَ بِنْتِ أَهْبَانَ قَالَتْ ...... إلخ

(المعجم الكبير للطبراني ج١ص ٢٩٣ ح ٨٦٢)

اس کے علاوہ یہ واقعہ عدیسہ بنت اہبان بن صیفی کی سند سے درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

معجم ابن الاعرابي (ج٣ص ٢٦) الأوسط لابن منذر (ج٩ص ١١٧)

شرح اصول اعتقاد اهل السنة (ج۷ص۱۷) مطالب العالية لابن حجر (ج٥ ص٢٦٧) اتحاف الخيرة المهرة (ج٣ص ٢٩_٢٢٨)

اس واقعہ کی ایک راویہ عدیسہ بنت اہبان مجہولہ ہیں۔ اسے امام ترمذی نے ثقہ قرار دیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کے علاوہ کسی نے ان کی توثیق نہیں کی اور امام ترمذی متساہل ہیں جب وہ اکیلے کسی راوی کی توثیق کریں تو قبول نہیں ہوتی۔

حافظ ابن حجر نے کہا: عديسة بنت اهبان مقبولة۔ یعنی مجہولۃ الحال ہی ہے:
(تقریب :٨٦٤٠)

لہٰذا یہ واقعہ ثابت نہیں ہے۔ وما علينا إلا البلاغ

نماز کے لیے جلدی جانے کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: ((لَوْيَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ والصَّفِّ الأَوَّلِ، ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوا، وَلَو يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهْجِيرِ، لَاسْتَبَقُوا إِلَيْهِ، وَلَو يَعْلَمُونَ مَافِي العَتَمَةِ والصُّبْحِ، لَأَتَوهُمَا وَلَو حَبْوًا))

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر لوگوں کو اذان اور پہلی صف کی فضیلت معلوم ہو جائے، پھر قرعہ کے بغیر اس کو حاصل نہ کر سکیں تو وہ ضرور قرعہ ڈالیں، اور اگر انہیں نماز کے لیے جلدی جانے کا ثواب معلوم ہوجائے تو سبقت لے جانے کی ضرور کوشش کریں، اور اگر انہیں (نماز) عشاء اور فجر کی فضیلت معلوم ہوجائے تو ضرور آئیں، خواہ انہیں سرین کے بل گھسٹ کر آنا پڑے۔''

صحيح البخاری: ٦١٥؛ صحيح مسلم: ٤٣٧

دفاعِ حدیث (آخری قسط)

حفاظتِ حدیث کا وعدہ الٰہی

محمد ارشد کمال

حفاظت حدیث بذریعہ کتابت

حفاظت حدیث کا دوسرا بڑا اہم ذریعہ کتابت ہے۔ حفاظت حدیث کا یہ ذریعہ بھی دور نبوی سے مسلسل چلا آ رہا ہے۔ نبی کریم ﷺ حدیث لکھوایا کرتے تھے اور لکھنے کا حکم بھی دیا کرتے تھے، لہٰذا یہ کہنا کہ حدیث اڑھائی سو سال بعد لکھی گئی ہے، اس سے پہلے نہیں لکھی جاتی تھی، سراسر غلط اور مبنی پر جہالت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دورِ مسعود سے لے کر آج تک ہر دور میں حدیث کی کتابت ہوتی رہی ہے۔ کوئی دور بھی کتابت حدیث سے خالی نہیں رہا۔

کتابت حدیث عہد نبوی میں

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے مکہ فتح کر دیا تو آپ نے لوگوں میں کھڑے ہو کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا: ''بے شک اللہ نے مکہ سے ہاتھیوں کو روک دیا تھا اور مکہ کا اقتدار اپنے رسول اور مومنوں کو سونپ دیا۔ مجھ سے پہلے کسی کے لیے مکہ (میں جنگ کرنا) حلال نہیں تھا اور میرے لیے بھی یہ محض دن کی ایک گھڑی حلال ہوا ہے۔ میرے بعد یہ کسی کے لیے حلال نہ ہو گا۔ پس اس کے شکار کو نہ بھگایا جائے اور نہ اس کے کانٹوں والے درختوں کو کاٹا جائے اور نہ اس کے راستے میں پڑی ہوئی چیز اعلان کرنے والے کے سوا کوئی اٹھائے اور جس کا کوئی مقتول اس میں قتل کیا گیا ہو تو اس کو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے کہ وہ دیت لے لے یا قصاص۔'' سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اذخر

مکتبة الحدیث،حضرو

(خشک گھاس) کی اجازت دے دیں کیونکہ ہم اس کو اپنی قبروں اور گھروں میں استعمال کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: «اِلَّا الْاِذْخِرَ» یعنی اِذخر (گھاس) کی اجازت ہے۔

یمن کے ایک شخص ابوشاہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے یہ (خطبہ) لکھ دیجیے تو آپ نے فرمایا: «اُكْتُبُوْا لِاَبِيْ شَاهٍ» ''ابوشاہ کے لیے (یہ خطبہ) لکھ دو۔''

(صحيح البخاري، كتاب فى اللقطة، باب كيف تصرف لقطة اهل مكة، رقم: 2434)

سیدنا ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب نبی میں سے کوئی بھی مجھ سے زیادہ آپ ﷺ سے حدیثیں بیان کرنے والا نہیں، سوائے عبداللہ بن عمرو (ؓ) کے، کیونکہ وہ لکھا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

(صحيح البخاري، كتاب العلم، باب كتابة العلم، رقم:113)

سیدنا عبداللہ بن عمرو ؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتا اسے لکھ لیا کرتا تھا تاکہ اسے حفظ کرلوں۔ مجھے قریشیوں نے منع کر دیا کہ تو ہر بات لکھ لیتا ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ ایک انسان ہیں غصے اور خوشی (دونوں حالتوں) میں گفتگو کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے لکھنا موقوف کر دیا۔ جب یہ بات رسول اللہ ﷺ سے عرض کی گئی تو آپ نے اپنے دہن مبارک کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: «اُكْتُبْ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ اِلاَّ حَقٌّ۔» ''لکھا کرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس سے سوائے حق کے اور کچھ نکلتا ہی نہیں۔''

(أبو داود، كتاب العلم، باب كتابة العلم، رقم: 3646 وسنده صحيح)

ابوقبیل تابعی ؒ نے فرمایا: ہم عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ کے پاس موجود تھے کہ ان سے پوچھا گیا: دو شہروں میں سے کون سا شہر سب سے پہلے فتح ہوگا:

قسطنطنیہ یا رومیہ؟ تو عبداللہ (ؓ) نے حلقوں والا صندوق منگوایا، پھر اس سے ایک کتاب نکالی اور فرمایا: ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس لکھ رہے تھے کہ جب آپ سے پوچھا گیا کہ دو شہروں میں سے کون سا شہر پہلے فتح ہوگا: قسطنطنیہ یا رومیہ؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پہلے ہرقل کا شہر، یعنی قسطنطنیہ فتح ہوگا۔''

(مسند أحمد 2/176 وسنده صحيح)

یزید بن شریک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سیدنا علی ؓ نے فرمایا: ہم نے نبی ﷺ سے کچھ نہیں لکھا، سوائے قرآن کے اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے۔

(صحيح البخاري، كتاب الجزية، باب اثم من عاهد ثم غدر، رقم: 3179)

سیدنا علی ؓ کے اس فرمان کا مطلب ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے صرف یہی دو چیزیں قلمبند کی ہیں۔ ایک قرآن مجید اور دوسرے وہ مسائل جو اس صحیفے میں ہیں۔ آپ سے پوچھا گیا: اس صحیفے میں کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: دیت اور قیدیوں کی رہائی کا بیان ہے اور یہ حکم کہ مسلمان، کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔

(صحيح البخاري:111)

معبد بن ہلال ؒ کہتے ہیں کہ سیدنا انس بن مالک ؓ سے جب ہم زیادہ اصرار کرتے تو وہ اپنے پاس موجود رجسٹر ہمارے لیے نکال لیتے اور فرماتے: یہ وہ (احادیث) ہیں جو میں نے نبی ﷺ سے سنی ہیں، انھیں لکھا اور آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا تھا۔ (المستدرك للحاكم 3/573 وسنده حسن)

[تنبیہ: حافظ ذہبی ؒ کا اس روایت کو منکر قرار دینا بغیر دلیل کے ہے۔ عتبہ ابن ابی حکیم صدوق وحسن الحدیث ہیں اور ایسے راوی کا تفرد قطعاً مضر نہیں، واللہ اعلم۔ ندیم]

امام زہری ؒ فرماتے ہیں: یہ نسخہ اس کتاب کا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے (اپنی وفات سے پہلے) صدقے کے بارے میں لکھوایا تھا اور یہ آل عمر بن خطاب کے پاس محفوظ تھی۔ نیز فرماتے ہیں: اسے مجھے سالم بن عبداللہ بن عمر ؓ نے پڑھوایا اور میں نے اسے اسی طرح یاد کر لیا اور یہی وہ تحریر ہے جسے عمر بن عبدالعزیز نے

عبداللہ بن عبداللہ بن عمر اور سالم بن عبداللہ بن عمر سے نقل کروایا تھا......

(أبو داود، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة،رقم:1570؛ابن ماجه ، رقم:1798، وسنده صحيح)

ان جملہ روایات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو رہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے عہدِ مسعود میں بھی احادیث لکھی جاتی تھیں۔ آپ خود بھی حکم فرمایا کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اپنے ذوق وشوق سے احادیث مبارکہ لکھا کرتے تھے۔

کتابت حدیث عہد صحابہ میں

نبی کریم ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی یہ سلسلہ جاری وساری رہا، صحابہ کرام بھی نبی کریم ﷺ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد احادیث مبارکہ لکھا اور لکھوایا کرتے تھے، چنانچہ:

سیدنا انس بن مالک سے مروی ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے یہ کتاب لکھ کر انھیں بحرین کی طرف بھیجا:

"بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ: هٰذِهِ فَرِیْضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِيْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَلَى الْمُسْلِمِیْنَ وَ الَّتِيْ أَمَرَ اللهُ بِهَا رَسُوْلَهُ......"

(صحيح البخاري، كتاب الزكاة ، باب زكاة، رقم:1454)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ، یہ زکوٰۃ کا وہ فریضہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں پر فرض کیا اور رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے۔

ابو عثمان نہدی کہتے ہیں کہ ہم عتبہ بن فرقد کے ساتھ آذر بائیجان یا شام میں تھے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی کتاب ہمارے پاس پہنچی (جس میں یہ تحریر تھا:) اما بعد! بے شک رسول اللہ ﷺ نے ریشم سے (مردوں کو) منع فرمایا ہے، سوائے اتنے (یعنی) دو انگلیوں (کے برابر)۔(صحيح مسلم، كتاب اللباس ، باب تحريم......رقم:2069)

سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کے کاتب وراد کہتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ مجھے وہ (حدیثیں) لکھ کر بھیجیں جو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہیں، تو مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف لکھ بھیجا: بے شک اللہ کے نبی ﷺ ہر نماز کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے: «لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللهُ وَحْدَهٗ لاَ شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، اَللّٰهُمَّ لاَ مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَ لاَ مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَ لاَ یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔»

اور سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف یہ بھی لکھا کہ نبی ﷺ قیل وقال (فضول بحث) اور کثرت سوال اور مال کو ضائع کرنے سے منع فرماتے ، اور آپ ماؤں کی نافرمانی سے ، بیٹیوں کو زندہ در گور کرنے سے اور دوسروں کا حق نہ دینے اور بغیر کسی ضرورت مانگنے سے بھی منع فرمایا کرتے تھے۔

(صحيح البخاري، كتاب الاعتصام، باب ما يكره من كثرة السؤال...... رقم:7292)

بشیر بن نہیک کہتے ہیں کہ میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو کچھ سنتا لکھ لیتا تھا، پھر جب میں نے ان سے رخصت ہونے کا ارادہ کیا تو اپنی کتاب لے کر ان کے پاس گیا اور انھیں وہ پڑھ کر سنائی اور کہا: میں نے آپ سے جو سنا ہے وہ یہ ہے؟ انھوں نے فرمایا: جی ہاں۔

(مسند الدارمي رقم: 500، مصنف ابن أبي شيبة 13/463 وسنده صحيح)

معن بن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ میرے سامنے عبدالرحمن بن عبداللہ نے ایک کتاب رکھی اور قسم کھا کر کہا: یہ ان کے والد عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ (مصنف ابن أبي شيبة 13/462 وسنده صحيح)

کتابت حدیث عہد تابعین میں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین عظام کا دور آتا اور اس دور میں کتابت وتدوین

مکتبة الحدیث،حضرو

حدیث پر بڑے وسیع پیمانے پر کام ہوا ہے، احادیث مبارکہ کو اس کثرت سے لکھا گیا ہے کہ اگر اسے بیان کیا جائے تو طوالت کا خوف دامن گیر ہے، لہٰذا ہم صرف چند حوالے درج کرنے پر ہی اکتفا کریں گے۔

عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں: خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اہل مدینہ کی طرف لکھ کر حکم بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں تلاش کر کے لکھ لو کیونکہ مجھے علم اور اہل علم کے ختم ہونے کا ڈر ہے۔ (مسند الدارمي، رقم:494، وسنده صحيح)

سلیمان بن موسیٰ سے مروی ہے کہ انھوں نے دیکھا: نافع مولیٰ ابن عمر اپنا علم لکھواتے اور یہ ان کے سامنے لکھا جاتا تھا۔

(مسند الدارمي،رقم:513وسنده صحيح)

امام ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ ابو قلابہ (رحمہ اللہ) نے میرے لیے اپنی کتابوں کی وصیت کی تو میں یہ کتابیں شام سے لایا ان کے کرائے پر دس سے زیادہ درہم ادا کیے تھے۔ (طبقات ابن سعد 9/250وسنده صحيح)

موسیٰ بن عقبہ کا بیان ہے کہ ہمارے پاس کریب نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی کتابوں میں سے ایک اونٹ کے وزن کے برابر کتابیں رکھیں، پھر جب علی بن عبداللہ بن عباس کو کسی کتاب کی ضرورت ہوتی تو وہ لکھ بھیجتے کہ فلاں کتاب میری طرف بھیج دیں تو وہ اس کتاب کو لکھ کر ایک نسخہ ان کی طرف بھیج دیتے تھے۔

(أيضًا، 7/289وسنده صحيح)

صالح بن کیسان کہتے ہیں کہ امام زہری نے (حدیث) لکھی اور میں نے نہیں لکھی تو وہ کامیاب ہو گئے اور میں ضائع ہو گیا۔

(تقييد العلم للخطيب، ص160، 107وسنده حسن)

اسی طرح صحیفہ ہمام بن منبہ جو آج بھی علمی دنیا میں مشہور ہے، جس میں ڈیڑھ سو کے قریب احادیث ہیں اور کئی دفعہ اردو ترجمہ کے ساتھ بھی چھپ چکا ہے، یہ بھی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد امام ہمام بن منبہ تابعی کا جمع کردہ ہے۔

امام محمد بن اسحاق کی کتاب السیرۃ بھی عہد تابعین ہی کی تالیف کردہ ہے اور یہ کتاب بھی کئی بار چھپ چکی ہے اور علمی دنیا میں مشہور ہے۔

دور تابعین کے بعد اگلا دور تبع تابعین کا ہے اس میں پہلے سے بھی زیادہ وسیع پیمانے پر کتابت حدیث پر کام ہوا ہے۔ موطأ امام مالک، کتاب الزہد از ابن مبارک، کتاب الزہد از امام وکیع بن جراح، کتاب المناسک از سعید بن ابی عروبہ، کتاب السیر از محمد بن اسحاق اور کتاب الدعا از محمد بن فضیل وغیرہ اسی دور کی مدون شدہ ہیں۔ پھر اس اس کے بعد تو کتابت و تدوین حدیث پر اس قدر کام ہوا کہ احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے۔ مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ اور مسند ابن ابی شیبہ لکھی گئیں، اسی طرح مسند احمد اور مسند ابی داود الطیالسی اور دیگر بے شمار کتب منصۂ شہود پر آئیں۔

خلاصہ یہ کہ حدیث مبارکہ کسی دور میں بھی بغیر کتابت کے نہیں چھوڑی گئی۔ نبی کریم ﷺ کے دور مسعود میں جو اس کی کتابت و تدوین تھی وہ ایک خاص اسلوب میں تھی۔ پھر صحابہ کرام اور تابعین کے ابتدائی دور میں اور زیادہ زور پکڑ گئی اور تابعین کے آخری دور میں تو اتنے عروج پر تھی کہ ہر طرف محدثین ہی نظر آتے تھے، جدھر دیکھو حدیث کا درس ہو رہا ہے۔ بعد ازاں تبع تابعین اور پھر ائمہ محدثین کے دور کے تو کیا ہی کہنے، ہر طرف قال رسول اللہ ﷺ کی صدائیں گونج رہی تھیں۔

اب بھی اگر کوئی یہی رٹ لگائے پھرے کہ حدیث تو اڑھائی سو سال بعد لکھی گئی ہے، لہٰذا یہ حجت شرعیہ نہیں تو اسے بس یہی کہا جا سکتا ہے:

گر آنکھیں ہیں بند تو دن بھی رات ہے
بھلا اس میں قصور کیا ہے سورج کا

اللہ تعالیٰ نے جن ذرائع سے قرآن کی حفاظت کی ہے انھی ذرائع سے قرآن کے بیان، یعنی حدیث مبارک کی حفاظت کی ہے۔ حفاظت قرآن بذریعہ حفظ ہوئی تو

حفاظت حدیث بھی بذریعہ حفظ ہوئی اور اگر حفاظت قرآن بذریعہ کتابت ہوئی تو حفاظت حدیث بھی بذریعہ کتابت ہوئی۔ ایسا کیوں؟ اس لیے کہ دونوں وحی ہیں، دونوں منزل من اللہ ہیں، قرآن کلام اللہ ہے تو حدیث کلام رسول اللہ ہے، قرآن کتاب اللہ ہے تو حدیث بیان کتاب اللہ ہے۔ ایک ہی حقیقت کے دو جلوے اور ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔ قرآن کریم متن ہے اور حدیث اس کی شرح ہے۔ نبی کریم ﷺ نے قرآن کریم کی شرح کے پیش نظر جو کچھ کیا ہے اور جو کچھ فرمایا، اگرچہ وہ اپنے وجود کے اعتبار سے ایک علیحدہ چیز ہے مگر اپنی حقیقت و ماہیت کے اعتبار سے ایک ہی ہے، لہٰذا دونوں کی اتباع واجب ہے۔ آج دونوں اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں اور آیندہ بھی موجود رہیں گے۔ ان شاء اللہ

رکوع جاتے اور سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرنا اللہ کی تعظیم ہے

امام محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اللہ کی توحید کے بعد کوئی عمل اللہ کے لیے نماز پڑھنے سے افضل نہیں کیونکہ اس کی ابتدا توحید اور تکبیر کے ساتھ اللہ کی تعظیم سے ہوتی ہے۔ پھر اللہ کی ثنا اور سورہ فاتحہ کا پڑھنا ہے جو کہ اللہ کی حمد وثنا ہے، اس کی بزرگی اور اس سے دعا کرنا ہے۔ اسی طرح رکوع وسجود کی تسبیحات، سر جھکنے اور اٹھنے پر تکبیرات، یہ سب اللہ کی توحید اور اس کی تعظیم ہے، اس کا خاتمہ اللہ کی توحید اور اس کے رسول ﷺ کی رسالت کی گواہی کے ساتھ ہوتا ہے، نماز کے رکوع وسجود اس کے لیے خشوع اور تواضع ثابت کرنے کے لیے ہے، نماز کے شروع، رکوع جاتے اور سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرنا اللہ کی تعظیم اور اس کے جلال کا بیان ہے۔ دائیں (ہاتھ) کو بائیں پر رکھ کر اللہ کے لیے کھڑے ہوجانا اس کے لیے عاجزی وانکساری اور عبادت کے ساتھ انقیاد واطاعت کا اقرار ہے۔“

(تعظیم قدر الصلاۃ: ۱/ ۲۶۸)

حسن خاتمہ کی علامتیں

عبداللہ یوسف ذہبی

کسی بھی انسان کی زندگی میں ٹھہراؤ نہیں ہوتا، نہ تو قلبی کیفیت ہموار رہتی ہے اور نہ اس کے اعمال وافعال ہمیشہ ایک جیسے رہتے ہیں، بلکہ اتار چڑھاؤ اور اونچ نیچ انسانی زندگی کا حصہ ہے۔ ماحول، صحبت اور حالات انسان کو بدلنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ ایک نیک اور متقی انسان کو بدلتے ہوئے بھی دیر نہیں لگتی اور بعینہٖ اسی طرح مجرم اور گناہوں میں ڈوبا ہوا انسان بھی کبھی پلٹا کھا کر سیدھی راہ پر آجاتا ہے۔ تاریخ میں جہاں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ شرابی، زانی اور گناہوں کے رسیا لوگوں نے خود کو بدل کر تقویٰ اور نیکی کی زندگی اپنائی، وہاں ایسی مثالوں کی بھی کمی نہیں کہ نیک اور پارسا لوگ بری صحبت اور ماحول کی وجہ سے یکسر بدل گئے۔

اسلام نے مسلمانوں کو یہ شعور دیا ہے کہ وہ اپنے انجام کی فکر کریں، کیونکہ اعتبار خاتمے اور انجام کا ہوگا۔ ایک آدمی اچھے عمل کرتے کرتے جنت کے دروازے پر جا پہنچتا ہے، اچانک ایسا عمل کر بیٹھتا ہے کہ جہنم میں جا گرتا ہے...... اور دوسرا شخص برے عمل کرتے کرتے جہنم کے کنارے جا پہنچتا ہے، لیکن ایک ایسا عمل کر لیتا ہے کہ جنت کا حق دار بن جاتا ہے۔ چنانچہ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو مشرکین کے ساتھ جنگ میں مصروف تھا۔ آپ نے فرمایا: ”اگر کوئی کسی جہنمی کو دیکھنا چاہتا ہے تو وہ اس شخص کو دیکھ لے۔“ اس پر ایک صحابی اس شخص کے پیچھے لگ گئے۔ وہ شخص برابر لڑتا رہا اور آخر کار زخمی ہوگیا، پھر اس نے چاہا کہ جلدی مر جائے، تو اس نے اپنی ہی تلوار کی دھارا اپنے سینے کے درمیان رکھ کر اس پر

اپنے آپ کو ڈال دیا اور تلوار اس کے شانوں کو چیرتے ہوئے نکل گئی (اس طرح وہ خود کشی کر کے مرگیا) نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ فِيمَا يَرَى النَّاسُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنَّهُ لَمِنْ أَهْلِ النَّارِ وَيَعْمَلُ فِيمَا يَرَى النَّاسُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِخَوَاتِيمِهَا»

"بندہ لوگوں کی نظر میں اہل جنت کے کام کرتا رہتا ہے، حالانکہ وہ جہنمی ہوتا ہے۔ ایک (دوسرا) بندہ لوگوں کی نظر میں اہل جہنم کے کام کرتا رہتا ہے، حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے اور اعمال کا اعتبار تو صرف خاتمے پر ہے۔"

(صحيح البخاري:6493)

شیخ البانی رحمہ اللہ نے اپنی معروف تصنیف "کتاب الجنائز" میں حسن خاتمہ کی چند علامتیں تحریر کی ہیں۔ ہم یہاں شیخ رحمہ اللہ کی ذکر کردہ علامتوں کو مختصراً بیان کرتے ہوئے اللہ کی توفیق سے مزید علامتوں کا اضافہ کریں گے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شارع علیہ السلام نے چند علامتیں بیان کی ہیں جنھیں کسی شخص کے حسن خاتمہ کی دلیل بنایا جا سکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر فضل واحسان ہے کہ اس نے ہمارے لیے ان علامتوں کو ذکر کیا ہے۔ جو شخص ان علامتوں میں سے کسی علامت کے ساتھ فوت ہوگا تو یہ اس کے لیے بشارت اور خوشخبری ہے۔

1 موت کے وقت کلمہ شہادت کہنا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ»

"جس کا آخری کلام 'لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ' ہوا وہ جنت میں داخل ہوگا۔"

(سنن أبي داؤد: 3116 وسنده حسن، مسند احمد 5/247، وصححه الحاكم 1/351 ووافقه الذهبي)

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو فرمایا: آپ کیوں پریشان ہیں؟ کیا آپ کو اپنے چچا زاد (سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے امیر المومنین بننے پر ناگواری ہوئی ہے؟ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: نہیں، بلکہ بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

«إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَا يَقُولُهَا أَحَدٌ عِنْدَ مَوْتِهِ إِلَّا كَانَتْ نُورَ الصَّحِيفَةِ وَإِنَّ جَسَدَهُ وَ رُوحَهُ لَيَجِدَانَ لَهَا رَوْحًا عِنْدَ الْمَوْتِ»

"میں ایک کلمہ جانتا ہوں جسے اگر کوئی شخص اپنی موت کے وقت کہہ لے تو وہ اس کے نامۂ اعمال کا نور بن جاتا ہے اور موت کے وقت اس کی وجہ سے اس کے جسم و جان کو راحت حاصل ہوتی ہے۔"

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: افسوس میں رسول اللہ ﷺ سے وہ کلمہ دریافت نہ کر سکا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے وہ کلمہ معلوم ہے۔ یہ وہی ہے جسے کہنے کا آپ نے اپنے چچا ابوطالب کو اس کی موت کے وقت فرمایا تھا۔ اگر نبی ﷺ کے علم میں اس کلمے کے علاوہ کوئی اور کلمہ ہوتا جو اس کی نجات کا زیادہ سبب بن سکتا تو آپ اسے وہی کلمہ پڑھنے کا حکم دیتے۔

(سنن ابن ماجه: 3795؛ سنن الكبرى للنسائى: 6/271؛ 10940 وهو صحيح)

یاد رہے کہ موت کے وقت کلمہ پڑھنا انھی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جو زندگی بھر توحید پر قائم رہ کر اس کلمے کے تقاضے پورے کرتے ہیں اور شرک و بدعت سے بیزار رہتے ہیں۔

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ نَفْسٍ تَمُوتُ تَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ [ﷺ] يَرْجِعُ ذٰلِكَ إِلَى قَلْبِ مُوقِنٍ إِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ لَهَا»

"جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ وہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی

مکتبة الحدیث،حضرو

معبود نہیں اور میں (محمد ﷺ) اللہ کا رسول ہوں اور یہ گواہی قلبی یقین سے ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا۔“

(سنن ابن ماجه: 3796 وسنده حسن)

2 موت کے وقت پیشانی پر پسینہ آنا

سیدنا بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَوْتُ الْمُؤْمِنِ بِعَرَقِ الْجَبِيْنِ»

”مومن کی موت پیشانی کے پسینے کے ساتھ ہوتی ہے۔“

(سنن النسائی:1829، 1830 وسنده صحیح، سنن الترمذی: 982)

اس حدیث مبارکہ میں مومن کی موت کی علامت پر بتائی گئی ہے کہ اسے موت کے وقت پیشانی پر پسینہ آتا ہے۔ پسینے کی وجہ کیا ہوتی ہے؟ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، تاہم علماء نے توجیہات بیان کی ہیں، مثلاً: یہ پسینہ روح نکلنے کی شدت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ وغیرہ

3 جمعہ کے دن یا رات کو فوت ہونا:

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَقَاهُ اللهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ»

”جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو فوت ہوا، اللہ تعالیٰ اسے عذاب قبر سے محفوظ رکھے گا۔“

(سنن الترمذی:1074، مسند أحمد: 2/169، المنتخب من مسند عبد بن حمید:323 وسنده حسن)

معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن یا رات کو فوت ہونا خاتمہ بالخیر کی علامت ہے، لیکن یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ محض جمعہ کے دن فوت ہو جانا ہی کافی نہیں، بلکہ ایمان اور عمل

صالح کی بنیادی شرط کا پورا ہونا بھی ضروری ہے۔ ورنہ کافر، منافق اور فاسق و فاجر لوگ بھی جمعہ کے دن مرتے ہیں لیکن انہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

4 اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے شہید ہو جانا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

(۳/ آل عمران: 171-169)

”جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیے گئے، آپ انھیں ہرگز مردہ گمان نہ کیجیے، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق دیے جاتے ہیں۔ وہ اس رزق پر خوش ہیں جو انھیں اللہ نے اپنے فضل سے دیا ہے اور ان کے بارے میں بھی خوش ہیں جو ابھی تک ان سے نہیں ملے اور ان کے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے ہیں کہ ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ اللہ کی طرف سے عظیم نعمت اور فضل پر بہت خوش ہوتے ہیں اور (اس بات پر) کہ بے شک اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔“

سیدنا مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لِلشَّهِيْدِ عِنْدَ اللهِ سِتُّ خِصَالٍ: يُغْفَرُ لَهُ فِي أَوَّلِ دُفْعَةٍ مِنْ دَمِهِ، وَيُرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَيُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَيَأْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْأَكْبَرِ، وَيُحَلَّى حُلَّةَ الْإِيْمَانِ وَيُزَوَّجُ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ وَيُشَفَّعُ فِي سَبْعِيْنَ إِنْسَانًا مِنْ أَقَارِبِهِ»

مکتبة الحدیث،حضرو

"اللہ کے پاس شہید کے لیے چھ انعامات ہیں: خون کے پہلے قطرے کے ساتھ ہی اس کی مغفرت ہو جاتی ہے، اسے جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے، اسے عذاب قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے، وہ قیامت کی بڑی گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا، اسے ایمان کا لباس پہنایا جائے گا، خوبصورت آنکھوں والی حوروں سے اس کی شادی کی جائے گی اور اس کے ستر رشتے داروں کے حق میں اس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔"

(سنن ابن ماجه:2799؛ سنن الترمذی، کتاب الجهاد، باب فی ثواب الشهید، ح:1663 وهو حسن)

راشد بن سعد رحمہ اللہ، نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی سے بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا وجہ ہے کہ اہل ایمان کا ان کی قبروں میں امتحان لیا جاتا ہے مگر شہید کا نہیں؟ آپ نے فرمایا:

«كَفٰى بِبَارِقَةِ السُّيُوفِ عَلٰى رَأْسِهِ فِتْنَةً»

(سنن النسائی: 2055 وسنده صحیح)

"اس کے سر پر چمکتی تلواریں اس کے لیے امتحان سے کافی ہو گئیں۔"

شہادت کی فضیلت میں بہت سی احادیث ہیں۔ یہاں صرف چند ذکر کر دی گئی ہیں۔ شہادت کی فضیلت کے لیے یہی کافی ہے کہ امام الانبیا ﷺ خود اللہ تعالیٰ سے شہادت کی موت کی دعا کیا کرتے تھے۔ اس لیے ہر مسلمان کو شہادت کی تمنا رکھنی چاہیے۔ خلوص نیت کے ساتھ شہادت کی تمنا کرنے والے کو اللہ تعالیٰ شہادت کے درجے تک پہنچا دیتا ہے، اگرچہ اسے عملاً جہاد کرنے کا موقع نہ ملے۔

سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سَأَلَ اللّٰهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ مِنْ قَلْبِهِ، بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَإِنْ مَاتَ عَلٰى فِرَاشِهِ»

"جو اللہ تعالیٰ سے صدقِ دل سے شہادت کا سوال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے

شہداء کے درجات تک پہنچا دیتا ہے، اگرچہ وہ اپنے بستر پر ہی فوت ہو۔"

(صحيح مسلم:1909/157)

5۔6۔7 سواری سے گر کر مرنے والا، جسے جانور گرا دے اور جانور کے کاٹنے سے مرنے والا

جہاد یا ہجرت کی نیت سے گھر سے نکلنے والا شخص خواہ طبعی موت ہی کیوں نہ فوت ہو، اسے شہادت کا مرتبہ حاصل ہوگا اور خلوص نیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے شہادت کے رتبے پر فائز فرمائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (4/النساء:100)

"اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلے، پھر اسے موت آ جائے تو بے شک اس کا اجر اللہ کے ذمے واجب ہو گیا۔"

سیدنا ابو اُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ثَلَاثَةٌ كُلُّهُمْ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: رَجُلٌ خَرَجَ غَازِيًا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ حَتّٰى يَتَوَفَّاهُ فَيُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ أَوْيَرُدَّهُ بِمَانَالَ مِنْ أَجْرٍ وَ غَنِيْمَةٍ وَرَجُلٌ دَخَلَ بَيْتَهُ بِسَلَامٍ فَهُوَ ضَامِنٌ عَلَى اللّٰهِ»

"تین قسم کے آدمیوں کا اللہ عزوجل ضامن ہے: جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلا تو اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہے حتی کہ اگر اس کی وفات ہو جائے تو وہ اسے جنت میں داخل کرے گا یا اجر وثواب اور غنیمت کے ساتھ واپس لوٹائے گا، دوسرا وہ آدمی جو مسجد کی طرف گیا تو اللہ اس کا ضامن ہے حتی کہ اگر اس کی وفات ہو جائے تو اس کو جنت میں داخل کرے گا یا اجر وثواب اور غنیمت کے ساتھ لوٹائے گا اور تیسرا وہ آدمی جو

سلام کے ساتھ اپنے گھر میں داخل ہوا تو اللہ عزوجل اس کا ضامن ہے۔“

(سنن ابی داؤد:2494 وسندہ صحیح)

درج بالا حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مجاہد اگر معرکے میں لڑ کر شہید نہ بھی ہوا، بلکہ راستے ہی میں طبعی موت آجائے تو وہ شہید ہی شمار ہوگا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں ان الفاظ کے ساتھ ایک باب قائم کیا ہے:

”بَابُ فَضْلِ مَنْ يُصْرَعُ فِي سَبِيْلِ اللهِ فَمَاتَ فَهُوَ مِنْهُمْ“

”اگر کوئی شخص جہاد میں سواری سے گر کر مر جائے تو اس کا شمار بھی مجاہدین میں ہوگا۔“

اس عنوان کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ درج ذیل حدیث لائے ہیں:

اُمّ حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تو آپ مسکرا رہے تھے۔ میں نے عرض کیا: آپ کس وجہ سے مسکرا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: (خواب میں) میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے پیش کیے گئے جو جہاد کرنے کے لیے اس طرح بہتے ہوئے سمندر میں سوار ہو کر جا رہے تھے جس طرح بادشاہ تختوں پر ہوں۔ میں نے عرض کیا: پھر آپ میرے لیے بھی دعا کر دیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی انھی میں سے بنا دے۔ آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی اور دوبارہ سو گئے، پھر پہلے کی طرح مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے۔ اُمّ حرام (رضی اللہ عنہا) عرض کرنے لگیں: آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی انھی میں سے بنا دے تو آپ نے فرمایا: ”تم پہلے لوگوں میں ہوگی۔“

چنانچہ وہ اپنے شوہر عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسلمانوں کے سب سے پہلے بحری بیڑے میں شریک ہوئیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں غزوہ سے واپسی پر جب شام کے ساحل پر لشکر اترا تو اُمّ حرام رضی اللہ عنہا کے لیے سواری لائی گئی تا کہ وہ اس پر سوار ہوں، لیکن جانور نے انھیں گرا دیا اور وہ فوت ہو گئیں۔

(صحیح البخاری:2799؛ صحیح مسلم:1912)

8 صدقِ دل سے شہادت کی دعا کرنے والا

سچے دل سے شہادت کی دعا کرنے والے شخص کو بھی اللہ تعالیٰ شہادت کے درجے تک پہنچا دیتے ہیں، خواہ وہ طبعی موت ہی کیوں نہ فوت ہو، لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ شہادت کی تمنا اور دعا کے ساتھ ساتھ بندے کو اگر عملاً موقع ملے تو جہاد میں ہر ممکن طریقے سے شامل ہونا چاہیے۔

اللہ کے دین کی خاطر اپنا تن من دھن قربان کرنے کا جذبہ صادقہ رکھنے والا شخص ہی شہادت کی دعا کر سکتا ہے۔

9 سمندر کے سفر میں سر چکرا کر اور ڈوب کر مرنے والا

سیدہ اُمّ حرام رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمَائِدُ فِي الْبَحْرِ الَّذِيْ يُصِيبُهُ الْقَيْءُ لَهُ أَجْرُ شَهِيْدٍ وَالْغَرِقُ لَهُ أَجْرُ شَهِيْدَيْنِ» (سنن ابی داؤد:2493 وسندہ صحیح)

”سمندر کے سفر میں جس کا سر چکرائے اور قے آجائے تو اس کے لیے ایک شہید کا ثواب ہے اور جو ڈوب کر مر جائے تو اسے دو شہیدوں کا ثواب ہے۔“

10 جل کر مر جانے والا

جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلشَّهَادَةُ سَبْعٌ سِوَى الْقَتْلِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ: اَلْمَطْعُوْنُ شَهِيْدٌ وَ الْغَرِقُ شَهِيْدٌ وَ صَاحِبُ ذَاتِ الْجَنْبِ شَهِيْدٌ وَ الْمَبْطُوْنُ شَهِيْدٌ وَ صَاحِبُ الْحَرِيْقِ شَهِيْدٌ وَ الَّذِيْ يَمُوْتُ تَحْتَ الْهَدْمِ شَهِيْدٌ وَ الْمَرْأَةُ تَمُوْتُ بِجُمْعٍ شَهِيْدٌ»

"اللہ کے راستے میں قتل ہونے کے علاوہ بھی شہادت کے سات اسباب ہیں: طاعون سے مرنے والا شہید ہے، پانی میں ڈوب جانے والا شہید ہے، ذات الجنب (بیماری) سے مرجانے والا شہید ہے، پیٹ کی تکلیف سے مرجانے والا شہید ہے، آگ سے جل کر مرنے والا شہید ہے، کسی مکان یا دیوار کے نیچے آکر مرجانے والا شہید ہے اور وہ عورت جو وضع حمل (ولادت) کی تکلیف میں وفات پا جائے شہید ہے۔"

(سنن أبي داوٗد: 3111، سنن ابن ماجه :2803 وسنده حسن)

11 فتنوں کے دور میں دین پر ثابت قدم رہنے والا

ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنَّ مِنْ وَّرَائِكُمْ أَيَّامَ الصَّبْرِ، الصَّبْرُ فِيهِ مِثْلُ قَبْضٍ عَلَى الْجَمَرِ لِلْعَامِلِ فِيهِمْ مِثْلُ أَجْرِ خَمْسِينَ رَجُلًا يَعْمَلُونَ مِثْلَ عَمَلِهِ»

"تمہارے بعد صبر کے دن آنے والے ہیں، اس زمانے میں دین پر صبر کرنا آگ کا انگارہ پکڑنے کی طرح مشکل ہوگا۔ ان لوگوں میں عمل کرنے والے کو اس جیسے پچاس عاملوں کا ثواب ملے گا۔"

(سنن ابی داوٗد:4341؛ سنن ابن ماجه:4014؛ سنن الترمذی: 3058 وسنده حسن)

12 اللہ کے راستے میں پہرہ دینے والا

سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلرِّبَاطُ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ وَإِنْ مَاتَ

جَرَى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِي كَانَ يَعْمَلُهُ وَأُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ وَأَمِنَ الْفَتَّانَ»

"اللہ کی راہ میں ایک دن رات پہرہ دینا مہینہ بھر روزے رکھنے اور قیام کرنے سے افضل ہے اور جو پہرہ دیتے ہوئے فوت ہوجائے تو اس کا یہ کام برابر جاری رہے گا، اس کا رزق جاری ہو جائے گا اور وہ (قبر کے) عذاب سے بچ جائے گا۔" (صحیح مسلم:1913)

سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ مَيِّتٍ يُخْتَمُ عَلَى عَمَلِهِ إِلَّا الَّذِي مَاتَ مُرَابِطًا فِي سَبِيلِ اللهِ فَإِنَّهُ يُنْمَى لَهُ عَمَلُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَيَأْمَنُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ»

"ہر مرنے والے کا عمل اس کے مرنے پر ختم ہو جاتا ہے، مگر مورچہ بند، کہ اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے اور وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔"

(سنن ابی داوٗد:2500؛ سنن الترمذی:1621 وسنده صحیح)

13 نیک عمل کرتے ہوئے موت آنا

نیک عمل کرتے ہوئے موت آنا حسنِ خاتمہ کی نشانی ہے۔ وہ نیک عمل کوئی سا بھی ہوسکتا ہے، جیسے کسی کو نماز پڑھتے ہوئے، روزے کی حالت میں، ذکر میں مشغول، کسی کی مدد کرتے ہوئے یا صدقہ خیرات کرتے ہوئے موت آجائے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ إِذَا أَرَادَ بِعَبْدٍ خَيْرًا إِسْتَعْمَلَهُ» فَقِيلَ: كَيْفَ يَسْتَعْمِلُهُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ: «يُوَفِّقُهُ لِعَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ الْمَوْتِ» (سنن الترمذی:2142)

"جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے کام پر لگا دیتا ہے۔" پوچھا گیا کہ وہ اسے کیسے کام میں لگاتا ہے؟ آپ نے فرمایا:
"اسے موت سے پہلے نیک عمل کی توفیق دے دیتا ہے۔"

15 طاعون کی بیماری سے مرنے والا

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے طاعون کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

«اِنَّهُ كَانَ عَذَابًا يَبْعَثُهُ اللهُ عَلَى مَنْ يَشَآءُ فَجَعَلَهُ اللهُ رَحْمَةً لِلْمُؤْمِنِيْنَ فَلَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يَقَعُ الطَّاعُوْنُ فَيَمْكُثُ فِي بَلَدِهِ صَابِرًا يَعْلَمُ اَنَّهُ لَنْ يُصِيْبَهُ اِلَّا مَا كَتَبَ اللهُ لَهُ اِلَّا كَانَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِ الشَّهِيْدِ»

"بلاشبہ یہ عذاب تھا، اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا، اسے بھیجتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے مومنوں کے لیے رحمت بنا دیا۔ اب کوئی بھی بندہ اگر صبر کے ساتھ اس شہر میں ٹھہرا رہے جہاں طاعون (کی وبا) پھیلی ہو، اور وہ یقین رکھتا ہو کہ اسے وہی نقصان پہنچ سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے تو اسے شہید جیسا ثواب ملے گا۔" (صحیح البخاری:5734؛ وسندہ حسن)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلطَّاعُوْنُ شَهَادَةٌ لِكُلِّ مُسْلِمٍ»

"طاعون ہر مسلمان کے لیے شہادت (کا باعث) ہے۔"

(صحیح البخاری:5732؛ صحیح مسلم: 1914)

16 دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر مرنے والا

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الحدیث 127-128

«اَلشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ: اَلْمَطْعُوْنُ وَالْمَبْطُوْنُ وَالْغَرِيْقُ وَصَاحِبُ الْهَدْمِ وَالشَّهِيْدُ فِي سَبِيْلِ اللهِ»

"شہداء پانچ قسم کے ہیں: طاعون کی بیماری سے مرنے والا، پیٹ کی بیماری سے مرنے والا، ڈوب کر مرنے والا، دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر مرنے والا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہونے والا۔"

(صحیح البخاری:652؛ صحیح مسلم:1914)

17 پیٹ کی بیماری سے مرنے والا

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

«وَ مَنْ مَاتَ فِي الْبَطْنِ فَهُوَ شَهِيْدٌ»

"جو پیٹ کی بیماری کی وجہ سے فوت ہوا وہ شہید ہے۔"

(صحیح مسلم:1915)

عبداللہ بن یسار بیان کرتے ہیں کہ میں سلیمان بن صرد اور خالد بن عرفطہ رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا تھا کہ لوگوں نے ایک شخص کا ذکر کیا جو پیٹ کی تکلیف سے فوت ہو گیا تھا۔ ان دونوں میں سے ہر ایک بزرگ نے خواہش ظاہر کی کہ اس کے جنازے میں شریک ہوں۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا:

«مَنْ يَقْتُلُهُ بَطْنُهُ لَمْ يُعَذَّبْ فِي قَبْرِهِ؟»

"جو آدمی پیٹ کی تکلیف سے مر جائے، اسے عذاب قبر نہیں ہوگا؟"

(سنن النسائی:2054 وسندہ صحیح)

تو دوسرے نے کہا: کیوں نہیں!

پیٹ کی تکلیف میں پیٹ سے متعلقہ ہر بیماری شامل ہے۔ جیسے اسہال، ہیضہ، آنتوں کا سرطان وغیرہ کی بیماری۔

مکتبة الحدیث،حضرو

18 دین، مال اور گھر والوں کے دفاع میں قتل ہو جانا

سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ اَهْلِهِ اَوْدُوْنَ دَمِهِ اَوْ دُوْنَ دِيْنِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ»

”جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے اور جو اپنے گھر والوں کی حفاظت یا خون یا دین کے دفاع میں قتل ہو جائے، وہ شہید ہے۔“ (سنن ابی داؤد:4772؛ سنن النسائی:4099وسندہ صحیح)

سیدنا سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَظْلَمَتِهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ»

”جو شخص اپنے حق کی خاطر لڑتا ہوا مارا جائے، وہ شہید ہے۔“

(سنن النسائی:4101وھو صحیح)

مال کی حفاظت میں لڑتے ہوئے جان دینے سے مراد یہ ہے کہ کوئی چور یا ڈاکو وغیرہ اگر کسی مسلمان کا مال لوٹنے آئیں تو وہ مال انھیں نہ دے اس بنا پر اگر چور اسے قتل کر دیں تو یہ شہید ہے۔

دین کی خاطر قتل ہونا یہ ہے کہ کسی نے اسے دھمکی دی کہ اپنا دین چھوڑ دے ورنہ تجھے قتل کردوں گا، اس نے دین نہ چھوڑا اور قتل ہونا قبول کر لیا۔

خون کے دفاع سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی اس سے لڑتا ہے، تلوار اٹھا لیتا ہے اور یہ فتنے سے بچتے ہوئے مسلمان کے خلاف تلوار نہیں اٹھاتا اور حملہ آور اسے قتل کر دیتا ہے تو یہ شہید ہے۔

19 مال کے دفاع میں قتل ہونے والا

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ اُرِيْدَ مَالُهُ بِغَيْرِ حَقٍّ فَقَاتَلَ فَقُتِلَ فَهُوَ شَهِيْدٌ»

”جس شخص کا مال ناحق چھیننے کی کوشش کی گئی تو اس نے قتال کیا، پھر وہ اس میں قتل ہو گیا تو شہید ہے۔“

(سنن ابی داؤد:4771؛سنن النسائی:4093وسندہ صحیح)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر کوئی شخص میرا مال چھیننے آئے تو اس کے بارے میں آپ کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: «فَلَا تُعْطِهِ مَالَكَ» ”اسے اپنا مال مت دے۔“

اس نے عرض کیا: اگر وہ مجھ سے لڑے؟

آپ نے فرمایا: «قَاتِلْهُ» ”تو بھی اس سے لڑ۔“

اس نے عرض کیا: اگر وہ مجھے قتل کر دے؟

آپ نے فرمایا: «فَاَنْتَ شَهِيْدٌ» ”پھر تو شہید ہے۔“

اس نے کہا: اگر میں اس کو مار ڈالوں؟

آپ نے فرمایا: «هُوَ فِي النَّار» ”وہ آگ میں جائے گا۔“

(صحیح مسلم:140)

سیدنا مخارق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ایک شخص میرے پاس آتا ہے اور میرا مال چھیننا چاہتا ہے تو میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: «ذَكِّرْهُ بِاللهِ» ”اسے اللہ تعالیٰ (کے حکم) کے ذریعے سے نصیحت کر۔“

اس نے کہا: اگر وہ نصیحت نہ مانے تو؟

آپ نے فرمایا: «فَاسْتَعِنْ عَلَيْهِ مَن حَوْلَكَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ» ”تو اپنے آس پاس کے لوگوں سے مدد حاصل کر۔“

اس نے عرض کیا: اگر میرے آس پاس کوئی مسلمان نہ ہو تو؟

آپ نے فرمایا: ﴿فَاسْتَعِنْ عَلَيهِ السُّلْطَانَ﴾ ”حاکم سے مدد طلب کر۔“

اس نے کہا: اگر حاکم بھی مجھ سے دور ہو؟

آپ نے فرمایا: ﴿قَاتِلْ دُونَ مَالِكَ حَتَّى تَكُونَ مِنْ شُهَدَاءِ الْآخِرَةِ اَوْتَمْنَعَ مَالَكَ﴾

”پھر اپنے مال کی حفاظت کے لیے لڑائی کر حتی کہ تو قتل ہو کر آخرت میں شہید بن جائے یا اپنے مال کو بچالے۔“

(سنن النسائی: 4086 وھو صحیح)

20 اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہوئے جان دینے والا

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿مَا تَعُدُّونَ الشَّهِيدَ فِيكُمْ؟﴾ قَالُوا: يَا رَسُوْلَ اللهِ مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيْلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ قَالَ: ﴿اِنَّ شُهَدَاءَ اُمَّتِي اِذًا لَقَلِيلٌ﴾ قَالُوا: فَمَنْ هُمْ؟ يَارَسُوْلَ اللهِ! قَالَ: ﴿مَنْ قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ مَاتَ فِي سَبِيْلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ مَاتَ فِي الطَّاعُوْنِ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ مَاتَ فِي الْبَطْنِ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَالْغَرِيْقُ شَهِيْدٌ﴾ (صحیح مسلم: 1915)

”تم شہید کس کو سمجھتے ہو؟“ صحابہ نے عرض کیا: جو اللہ کی راہ میں مارا جائے وہ شہید ہے۔ فرمایا: ”تب تو میری امت میں بہت کم شہید ہوں گے“۔ انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! پھر شہید کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”جو اللہ کی راہ میں مارا جائے وہ شہید ہے اور جو اللہ کی راہ میں فوت ہو جائے وہ بھی شہید ہے، طاعون سے مرنے والا بھی شہید ہے اور پیٹ کی بیماری سے مرنے والا شہید ہے اور ڈوب کر مرنے والا بھی شہید ہے۔“

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ میں فی سبیل اللہ کے زمرے میں دو قسم کے لوگوں کو شہید قرار دیا گیا ہے۔ ایک وہ جو جہاد فی سبیل اللہ میں قتل کر دیا جائے اور دوسرا جو اللہ کی راہ میں، یعنی جہاد پر، حج یا عمرے کے لیے یا طلبِ علم کے لیے نکلا ہو اور اسے طبعی موت آجائے۔

21 مدینہ منورہ میں فوت ہونا

مدینہ منورہ میں فوت ہونا بھی حسن خاتمہ کی علامت ہے۔ انسان کے بس میں تو نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے فوت ہو، لیکن وہ تمنا اور دعا ضرور کر سکتا ہے کہ اسے مدینے میں موت آئے یا وہ کوشش کر سکتا ہے کہ زندگی کا آخری حصہ مدینے میں گزارے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَمُوتَ بِا لْمَدِيْنَةِ فَلْيَفْعَلْ فَاِنِّي اَشْهَدُ لِمَنْ مَاتَ بِهَا﴾

(سنن ابن ماجہ: 3112؛ سنن الترمذی: 3917 وسندہ حسن)

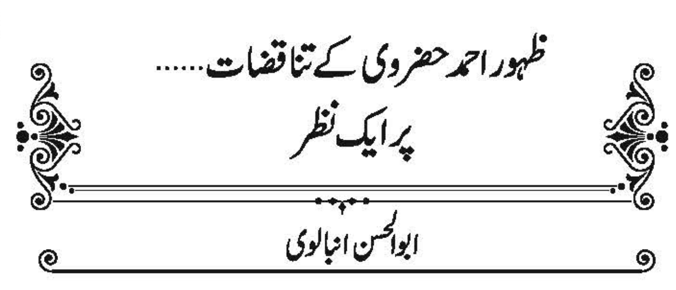
”تم میں سے جو شخص یہ کر سکے کہ مدینہ میں فوت ہو تو وہ ضرور اس کی کوشش کرے کیونکہ جو یہاں فوت ہوگا میں اس کے حق میں گواہی دوں گا۔“

آخر میں ہم وہی دعا کرتے ہیں جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کی تھی:

”اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِي فِي بَلَدِ رَسُولِكَ ﷺ“

اے اللہ! ہمیں اپنی راہ میں شہادت نصیب کر اور اپنے رسول ﷺ کے شہر میں ہمیں موت عطا کر۔ آمین (صحیح البخاری: ۱۸۹۰)





ظہور احمد حضروی کے تناقضات...... پر ایک نظر

ابوالحسن انبالوی

الحمدلله رب العٰلمین والصلوة والسلام علیٰ رسوله الأمین، أما بعد:

تناقض (۲۰) کے تحت جناب ظہور احمد صاب نے لکھا: ''محمد بن جابر یمامی رحمہ اللہ نے جب ترک رفع الیدین کی ایک حدیث روایت کی تو زبیر علی زئی نے اس کی روایت کردہ حدیث کو موضوع قرار دے دیا۔ اور اس کے خلاف محدثین کے اقوال جرح نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ائمہ مسلمین ومؤمنین کی عظیم اکثریت نے اس کے بدحافظہ، اختلاط، تلقین گیری اور الحاق فی الکتب کی وجہ سے ضعیف ومتروک قرار دیا ہے۔ (نور العینین، ص: ۱۳۸)

نیز زبیر علی زئی نے اس کے بارے میں لکھا ہے: اس کی حدیث اس پر گڈمڈ ہو گئی تھی...... لیکن دوسری طرف زبیر علی زئی نے...... امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف اسی جاب یمامی سے منسوب ایک روایت سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے...... اب اس نام نہاد محقق سے کوئی پوچھے کہ جب محمد بن جابر آپ کے نزدیک اس قدر ضعیف راوی ہے...... تو پھر امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف اس کی یہ روایت آپ کے نزدیک ''صحیح السند'' کیسے بن گئی ہے۔'' (تناقضات......ص ٦٧)

تجزیہ

محمد بن جابر جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہی ہے، محدث العصر حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ اس بارے میں کوئی دورائے نہیں رکھتے تھے۔

شیخ محترم رحمہ اللہ نے الجرح والتعدیل (۸/ ۴۵۰) کی جس روایت کو ''وسندہ صحیح'' لکھا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ محمد بن جابر تک یہ سند صحیح ہے، یعنی محمد بن جابر نے امام ابوحنیفہ کے بارے میں جو بات کہی وہ ہم تک صحیح سند کے ساتھ پہنچی ہے جس سے یہ لازم نہیں آتا کہ محمد بن جابر بھی فی نفسہ ثقہ وصدوق ہے، لہٰذا شیخ محترم کا اسے ''وسندہ صحیح'' لکھنا قطعاً غلط نہیں اور نہ یہ تناقض ہے۔

دوسرا یہ کہ محمد بن جابر کا قول ان حضرات پر بطور التزام بھی پیش کیا جاتا ہے جو اس کی روایات کو بطور حجت بیان کرتے ہیں بلکہ یہ تو خود ظہور احمد صاحب جیسے لوگوں کا واضح تناقض ہے کہ جب اپنے مطلب کی روایت ہو تو محمد بن جابر قابل حجت! اور جب یہی راوی ان کے مزعوم امام کے خلاف کچھ کہہ دے تو پھر خوب واویلا کرتے ہیں، باقی امام جوزجانی رحمہ اللہ کے بارے میں ظہور صاحب نے جو کلام کیا اس کا جواب آگے آرہا ہے۔ (ان شاءاللہ)

حضروی صاحب نے تناقض (۲۱) کے تحت لکھا ہے: ''حافظ جوزجانی کی جرح قابل قبول بھی اور قابل رد بھی'' پھر محدث العصر رحمہ اللہ کی چند عبارتیں نقل کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اگر امام جوزجانی کی بات ان کے حق میں ہو تو قبول کر لیتے ہیں اور مخالفت میں ہو تو انہیں متعنت اور ناصبی وغیرہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں۔ ملاحظ ہو: تناقضات......ص ٦٧۔

تجزیہ

امام جوزجانی رحمہ اللہ کے بارے میں شیخ محترم رحمہ اللہ کی کیا رائے تھی وہ خود انہیں کے قلم سے حاضر خدمت ہے جس سے ہر قاری پر واضح ہوجائے گا کہ ظہور صاحب نے محض الزامات کی بوچھاڑ کی ہے ورنہ شیخ محترم تو اپنی زندگی ہی میں ایسی تمام باتوں سے برأت کا اعلان کر چکے تھے جو ایک عرصے تک حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کی ویب سائٹ پر موجود رہا ہے۔

شیخ محترم لکھتے ہیں:

۱: ابو اسحاق ابراہیم بن یعقوب بن اسحاق السعدی الجوزجانی رحمہ اللہ (م ۲۵۹ھ)

سنن ابی داود، سنن ترمذی اور سنن نسائی کے راوی ہیں۔

انھوں نے امام احمد بن حنبل، احمد بن عبداللہ بن یونس، حسن بن موسیٰ الاشیب، سعید بن منصور، سلیمان بن حرب، ابو عاصم ضحاک بن مخلد النبیل، عبداللہ بن عثمان المروزی: عبدان، عفان بن مسلم، علی بن المدینی، ابونعیم الفضل بن دکین، مسدد بن مسرہد، یحییٰ بن معین اور یزید بن ہارون وغیرہم سے علم حاصل کیا۔ رحمہم اللہ اجمعین۔

ان کے شاگردوں میں امام ابو داود، ترمذی، نسائی، حسن بن سفیان، ابو زرعہ الدمشقی، ابو زرعہ الرازی، ابو حاتم الرازی، محمد بن اسحاق بن خزیمہ اور ابوجعفر محمد بن جریر الطبری رحمہ اللہ بہت زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کی توثیق وتعریف کے دس (۱۰) حوالے درج ذیل ہیں:

(۱) امام نسائی نے اُن سے سنن صغریٰ (المجتبیٰ) اور دوسری کتابوں میں بہت سی روایات بیان کیں اور فرمایا: "لا بأس به" ان کے ساتھ کوئی حرج نہیں۔

(تسمیة مشائخ النسائی ص ۶۰ ت ۹۳)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کی طرف منسوب ایک غیر ثابت قول: "کان أبو حنیفة لابأس به" کا ظہور احمد دیوبندی نے یہ ترجمہ لکھا ہے: "امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ میں کوئی خرابی نہیں تھی" (امام اعظم ابو حنیفہ کا محدثانہ مقام ص ۳۲۶)

اس ظہوری ترجمے کے مطابق امام نسائی نے جوزجانی کے بارے میں فرمایا:

ان میں کوئی خرابی نہیں۔

وقال ظفر احمد التهانوی الدیوبندی: "وکذا کل من حدّث عنه النسائي فهو ثقة" (قواعد فی علوم الحدیث و اعلاء السنن ۱۹/ ۲۲۲)

وقال: "و کذا من أخرج له النسائي فی المجتبی و سکت عنه فهو حجة۔" (ایضاً ص ۲۲۲)

تنبیہ: یہ دونوں اقوال بطورِ الزامی دلیل پیش کئے گئے ہیں۔

(۲) امام ترمذی نے ابراہیم بن یعقوب کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں فرمایا: "هذا حدیث حسن غریب من هذا الوجه"

(سنن الترمذی: ۳۵۱۱)

معلوم ہوا کہ امام ترمذی کے نزدیک جوزجانی ثقہ یا صدوق راوی ہیں۔

(۳) حافظ ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں جوزجانی سے بہت سی روایتیں لیں اور انھیں کتاب الثقات میں ذکر کر کے فرمایا: "وکان حریزی المذهب ولم یکن بداعیة إلیه وکان صلبًا فی السنة حافظًا للحدیث إلا أنه من صلابته ربما کان یتعدی طوره"

وہ حریز (بن عثمان الرحبی) کے مسلک پر تھے اور اس کی طرف دعوت نہیں دیتے تھے۔ آپ سنت (پرعمل کرنے) میں بہت سخت تھے، حدیث کے حافظ تھے، سوائے اس کے کہ بعض اوقات آپ سنت میں سختی کی وجہ سے حد سے تجاوز کر جاتے تھے۔

(الثقات ۸/ ۸۱۔ ۸۲)

تنبیہ: حافظ ابن حبان ۲۷۰ھ میں پیدا ہوئے جبکہ حافظ جوزجانی ۲۵۹ھ میں فوت ہو گئے تھے، لہٰذا حریزی المذہب والی جرح منقطع ہونے کی وجہ سے ثابت نہیں۔

بطورِ فائدہ عرض ہے کہ حریز بن عثمان الرحبی الشامی رحمہ اللہ صحیح بخاری اور سنن اربعہ کے راوی اور ثقہ تھے۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا: "ثقة ثبت، رمي بالنصب" (تقریب التهذیب: ۱۱۸٤)

حافظ ذہبی نے فرمایا: "ثقة له نحو مأتي حدیث، وهو ناصبي"

(الکاشف ۱/ ۱۵۵ت ۹۹٤)

انھیں امام احمد بن حنبل، امام عجلی اور امام یعقوب بن سفیان وغیرہم نے ثقہ کہا۔

اُن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بُرا کہتے تھے، اس اعتراض کے چار جوابات ہیں:

اول: ایک آدمی نے حریز بن عثمان سے کہا: اے ابوعمر! مجھے پتا چلا ہے کہ آپ علی (رضی اللہ عنہ) کے لئے رحم کی دعا نہیں کرتے؟ انھوں نے فرمایا: خاموش ہو جا، نہ میں ایسا ہوں اور نہ یہ (شابابہ) ایسا ہے۔ پھر انھوں نے فرمایا: "رحمه الله مائة مرة" اللہ ان (علی رضی اللہ عنہ) پر سو دفعہ رحم فرمائے۔

(الضعفاء للعقیلی ١/ ٣٢٢ وسنده صحیح، محمد بن اسماعیل هو الصائغ)

دوم: حریز بن عثمان الرحبی نے ایک آدمی سے کہا: "ویحك! أما تتقی الله. تزعم أني شتمت عليًا ، لا والله! ما شتمت عليًا قط" تیری خرابی ہو! کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا؟ تو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے علی کو گالی دی ہے۔ ہر گز نہیں! اللہ کی قسم میں نے علی (رضی اللہ عنہ) کو کبھی گالی نہیں دی۔

(تاریخ ابن معین ، روایة الدوری ٢/ ٣٦٥ رقم ٥٣٥٩ وسنده صحیح)

سوم: امام بخاری نے فرمایا: "وقال أبو اليمان: كان حريز يتناول من رجل ثم ترك ذلك" اور ابو الیمان (الحکم بن نافع الحمصی) نے کہا: حریز (بن عثمان) ایک آدمی (یعنی علی رضی اللہ عنہ) کے بارے میں کلام کرتے تھے، پھر اسے (بعد میں) ترک کر دیا۔

(التاریخ الکبیر ٣/ ١٠٤، الکامل لابن عدی ٢/ ٨٥٧ دوسرا نسخة ٣/ ٣٩٠)

ثابت ہوا کہ امام جوزجانی نے ناصبیت سے رجوع کر لیا تھا، لہٰذا راقم الحروف نے حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہما پر اعتماد کرتے ہوئے جہاں بھی انھیں ناصبی لکھا ہے، اُس سے رجوع کا اعلان ہے۔ والحمد لله

چہارم: جو راوی جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ یا صدوق حسن الحدیث ہو، اس پر ناصبی، رافضی، معتزلی، مرجی وغیرہ جروح ناقابلِ حجت ہوتی ہیں اور ایسے راوی کی حدیث صحیح یا حسن لذاتہ ہوتی ہے۔ (نیز دیکھئے اسی فقرے کے ذیلی نمبر ١٠، میں سرفراز خان صفدر کا حوالہ)

(۴) امام جوزجانی سے امام ابو داود نے سنن ابی داود میں روایات بیان کیں اور ابو داود (اپنے نزدیک) صرف ثقہ سے روایت کرتے تھے۔

(دیکھئے اعلاء السنن ١٩ / ٢٢۴، نصب الرایہ ١ / ١٩٩، بیان الوہم والایہام ٣/ ٦٦۴ ح ١٢٢٧)

نیز دیکھئے تہذیب التہذیب (٢/ ٢٩٨ ترجمة حسین بن علی بن الاسود ، ٣/ ١٥٦ ، ترجمة داود بن امیہ)

(۵) جوزجانی سے اہلِ سنت کے مشہور ثقہ ثبت متقن امام ابو زرعہ الرازی نے حدیث بیان کی اور امام ابو زرعہ اپنے نزدیک صرف ثقہ سے روایت بیان کرتے تھے۔

(دیکھئے لسان المیزان ج ۲ ص ۵۱۱ ترجمہ داود بن حماد بن فرافصہ)

(٦) امام ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے:

"الثقة الحافظ، أحد أئمة الجرح والتعديل"

ثقہ حافظ، جرح وتعدیل کے اماموں میں سے ایک۔ (میزان الاعتدال ١/ ٧۵)

حافظ ذہبی نے ان کے ساتھ "صح" کی رمز لکھی ہے اور جس راوی کے ساتھ وہ "صح" کی علامت لکھیں تو وہ اُن کے نزدیک ثقہ ہوتا ہے اور اس پر اُن کے نزدیک جرح مردود ہوتی ہے۔ (دیکھئے لسان المیزان ۲ / ۱۵۹، دوسرا نسخہ ۲ / ۲۸۹، تحقیقی مقالات ۳/ ۱۸۳)

حافظ ذہبی نے مزید فرمایا: "الإمام... الحافظ صاحب التصانيف... وكان من كبار العلماء نزل دمشق و جرّح و عدّل" (العبر فی خبر من غبر ١/ ٣٧٢)

(۷) حافظ ابن حجر نے فرمایا: "ثقة حافظ ، رمي بالنصب"

(تقريب التهذيب: ٢٧٣)

اور فرمایا: "فهو من كبار الحفاظ الأثبات" (نتائج الافکار ١/ ۴٠٩ مجلس ٨٩)

(۸) ضیاء المقدسی نے المختارہ میں اپنی سند کے ساتھ ان سے حدیث بیان کی۔

(١/ ٤٩٠ ح ٣٦٣)

اور انھیں "الإمام" بھی کہا۔ (المختارة ١١/ ٣٩۴ ح ۴٠٩)

☆ امام حاکم نے المستدرک میں بھی ان سے روایات لی ہیں۔

(ح ٥٥٤، ٥٣١٦، ٥٩٨٣)

(۹) حافظ ابن ناصر الدین الدمشقی رحمہ اللہ نے فرمایا: "وكان ثقة حافظًا ، أحد أئمة الجرح والتعديل لكنه..." (التبیان لبدیعة البیان ٢ / ٧٥٦ ت ٥٥٧)

اس کے بعد انھوں نے جوز جانی کی ناصبیت کا ذکر کیا جو جمہور کی توثیق اور اُن کے رجوع کے بعد یہاں جرح قادح نہیں ہے۔

(۱۰) ابونعیم الاصبہانی نے امام جوزجانی سے اپنی کتاب المستخرج علیٰ صحیح مسلم میں روایات بیان کیں۔ (مثلاً دیکھئے ج ۱ ص ۷۰ ح ۳۵)

ان کے علاوہ کئی علماء نے ان کی یا ان کی کتابوں کی تعریفیں بیان کیں، مثلاً:

حافظ ابن کثیر نے فرمایا: "خطیب دمشق ، له المصنفات المفيدة، منها المترجم، فيه علوم غزيرة و فوائد كثيرة۔"

(البدایه والنهایه ۱۱/ ۲٦٤ وفیات ۲۵۹ھ)

ان کے مقابلے میں کسی محدث و امام نے اُن کی عدالت و روایت پر کوئی جرح نہیں کی، انھیں ضعیف یا کذاب نہیں کہا بلکہ اُن پر صرف اُن کے مرجوع عقیدے (ناصبیت) کی جرح ملتی ہے۔

حافظ ابن عدی نے کہا: وہ دمشق میں مقیم تھے، منبر پر حدیثیں بیان کرتے تھے اور احمد بن حنبل ان کے ساتھ خط کتابت کرتے تھے، پس وہ ان کی خط کتابت سے تقویت حاصل کرتے اور اسے منبر پر پڑھتے تھے اور وہ اہلِ دمشق کے مذہب پر تھے، علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنے والوں کی طرف شدید مائل تھے۔

(الکامل ۱/ ۳۰۵، دوسرا نسخہ ۱/ ۵۰٤)

حافظ ابن عدی ۲۷۷ھ میں پیدا ہوئے اور حافظ جوزجانی ۲۵۹ھ میں فوت ہوگئے تھے، لہٰذا ابن عدی کی یہ جرح منقطع ہونے کی وجہ سے ناقابلِ حجت ہے۔

بطورِ فائدہ عرض ہے کہ حافظ ابن حبان کے قول "حريزي المذهب" سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں (جوزجانی) نے اس مذہب (ناصبیت) سے رجوع کر لیا تھا اور یہی وجہ ہوسکتی ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ بقولِ ابن عدی ان سے خط و کتابت کرتے تھے (اور ہمارے نزدیک اس روایت کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے اس بات میں نظر

ہے) اور امام نسائی نے (جو خصائص علی رضی اللہ عنہ کے مصنف ہیں) ان سے بکثرت روایات بیان کی ہیں۔

☆ ابوعبدالرحمن محمد بن حسین السلمی الصوفی نے امام دارقطنی سے نقل کیا ہے:

" أقام بمكة مدة و بالرملة مدة وبمصر مدة وكان من الحفاظ المصنفين والمخرّجين الثقات لكن كان فيه انحراف عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه ، اجتمع على بابه أصحاب الحديث فخرج إليهم و أخرجت جارية له فروجة لتذبح فلم تجد أحدًا يذبحها فقال: سبحان الله! لا يوجد من يذبحها و قد ذبح علي بن أبي طالب في ضحوة نيفًا و عشرين ألفًا۔"

(سوالات السلمی: ۴۱۹ ص ۳۲۹۔۳۳۰)

فروجہ ذبح کرنے والی یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے:

اول: امام دارقطنی سے ان سوالات کا بنیادی راوی محمد بن الحسین السلمی الصوفی بذاتِ خود سخت ضعیف و مجروح ہے۔

دوم: جوزجانی ۲۵۹ھ میں فوت ہوئے اور امام دارقطنی ۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے، یعنی ان کی وفات کے ۴۷ سال بعد، لہٰذا یہ قول بے سند ہونے کی وجہ سے بے دلیل و مردود ہے۔

☆ مرغی ذبح کرنے کی ایک روایت عبداللہ بن احمد بن عدبس (؟) سے مروی ہے۔

(تاریخ دمشق ۷/ ۲۸۱)

ابن عدبس کی توثیق نامعلوم ہے۔ (دیکھئے مقدمہ احوال الرجال للجوزجانی ص ۱۵)

تنبیہ: ناصبیت کے دعوے والی یہ چار روایات (ابن عدی و ابن حبان کے اقوال) نیز ابوعبدالرحمن السلمی والی روایت اور ابن عدبس والی روایت چاروں ضعیف و غیر ثابت ہیں، لہٰذا دعویٔ ناصبیت میں نظر ہے اور اس تحقیق کے خلاف راقم الحروف کا ہر بیان و

حوالہ منسوخ ہے۔

نیز بطورِ فائدہ عرض ہے کہ جس راوی کو جمہور محدثین ثقہ وصدوق قرار دیں تو اُس پر ناصبیت ،شیعیت اور مرجیت وغیرہ کے اعتراضات سے اس کی حدیث ضعیف نہیں ہوتی۔

ظہور احمد کوثری دیوبندی نے اپنی ایک کتاب سرفراز خان صفدر کڑمنگی گکھڑوی دیوبندی کے نام منسوب کی ہے اور غلو کرتے ہوئے لکھا ہے: ''امام اہل السنت ، پاسبان مسلک حقہ۔ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ۔۔۔''
(رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ ص ۳)

اس سرفراز خان نے ایک راوی ابومعاویہ الضریر کے بارے میں لکھا ہے:

''مگر یہ بیچارے اصول حدیث سے بالکل کورے ہیں محمد بن خازم رحمہ اللہ بخاری اور مسلم کے مرکزی راوی ہیں اور اصول حدیث کی رُو سے ثقہ راوی کا خارجی یا جہمی معتزلی یا مرجیٔ وغیرہ ہونا اس کی ثقاہت پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتا اور صحیحین میں ایسے راوی بکثرت موجود ہیں۔'' (احسن الکلام ج ۱ ص ۳۰، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۴۹)

اس کڑمنگی بیان سے معلوم ہوا کہ ظہور و نثار دونوں اصولِ حدیث سے بالکل کورے ہیں۔

جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق امام ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی نے یہ روایت لکھ کر امام ابن ابی حاتم کے پاس بھیجی تھی، جسے مکاتبہ کہتے ہیں اور اصول حدیث میں یہی مشہور ہے کہ مکاتبت سے روایت جائز ہے۔ (دیکھئے اختصار علوم الحدیث مترجم ص ۸۲ نوع: ۲۴)

جوزجانی نے یہ روایت امام ابونعیم الفضل بن دکین الکوفی سے سنی تھی، جیسا کہ انھوں نے صراحت فرما دی اور امام ابونعیم صحیحین وسنن اربعہ کے مرکزی راوی اور ثقہ ثبت ہیں۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۵۴۰۱)

اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کی رُو سے یہ روایت بالکل صحیح ہے، لیکن ظہور احمد نے حق وانصاف کا خون کرتے ہوئے اپنی بازاری زبان میں لکھا ہے:

''علی زئی کا امام ابوحنیفہؒ پر بہتان کہ آپ نے امام ابو یوسف کی تکذیب کی ہے۔''
(تلامذہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا محدثانہ مقام ص ۲۳۹)

ظہور احمد نے مزید لکھا ہے:

''لیکن اول تو ان دونوں روایات کی سند ہی صحیح نہیں ہے، چنانچہ پہلی روایت کے غیر صحیح ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کی سند میں ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی ہے جس کو خود علی زئی بدعتی اور ناصبی (دشمن اہل بیت رسول اللہ ﷺ) قرار دے چکے ہے، جیسا کہ جوزجانی موصوف کی جرح میں گزر چکا ہے۔'' (تلامذہ ص ۲۴۰)

عرض ہے کہ اصولِ حدیث اور اصولِ محدثین کی رُو سے یہ سند بالکل صحیح ہے (نیز اس کے صحیح شواہد بھی موجود ہیں) اور اسے غیر صحیح کہنا غلط ہے۔

ظہور احمد نے اپنی جس ''کالی تحقیق'' کا حوالہ دیا ہے، وہاں انھوں نے ماہنامہ الحدیث حضرو (شمارہ ۲ ص ۹) سے راقم الحروف کا قول نقل کیا ہے:

"ابراهيم بن يعقوب الجوزجاني المبتدع۔۔۔" (تلامذہ ص ۲۳۰)

حالانکہ راقم الحروف نے لکھا تھا: "ابراهيم بن يعقوب الجوزجاني المبتدع الثقة۔۔۔" (ش ۲ ص ۹)

الثقة کا لفظ چھپا کر ظہور احمد نے ان لوگوں کی یاد تازہ کر دی ہے، جنھیں بندر اور خنزیر بنا دیا تھا۔

جوزجانی اور دارقطنی نے جب ایک موثق عند الجمہور راوی (فطر بن خلیفہ) پر جرح کی تو راقم الحروف نے زمانۂ قدیم میں (۱۹۸۹ء) یعنی آج سے تقریباً چوبیس (۲۴) سال پہلے لکھا تھا:

''ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی السعدی "في نفسه" ثقہ وصدوق امام ہونے کے باوصف متعنت (متشدد) تھے اور ان پر ناصبی ہونے کا الزام تھا۔ ان کی اور امام دارقطنی کی

مکتبة الحدیث،حضرو

جرح جم غفیر کے قول کے مقابلے میں مردود ہے۔" (القول المتین طبع اول ص ۴۳، طبع دوم ص ۵۳)

اس عبارت کے سلسلے میں چار باتیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: اس میں جوزجانی کو ثقہ وصدوق امام لکھا ہوا ہے، لہٰذا ان کی بیان کردہ حدیث صحیح ہے۔

۲: یہاں بھی جمہور کو ترجیح دی گئی ہے اور یہ بات ظہور و نثار کی "سمجھ شریف" سے باہر ہے۔!

۳: اس میں ناصبی ہونے کے الزام کا ذکر ہے، یعنی ثبوت کی صراحت نہیں، نیز یہ قدیم عبارت تھی اور جدید منہج یہ ہے کہ جارحین و معدلین کے حوالے اکٹھے کر کے جمہور کو ترجیح دے دینی چاہیے اور اس چکر میں ہرگز نہیں آنا چاہیے کہ فلاں متعنت ہے اور فلاں متساہل ہے، لہٰذا اس منہج کے خلاف میری ایسی تمام عبارات منسوخ و مرجوح ہیں۔

۴: ظہور احمد نے مذکورہ حوالے کی آدھی عبارت نقل نہیں کی، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم نے زمانۂ قدیم میں بھی توثیق و تضعیف میں جمہور محدثین کو ہی ترجیح دی تھی۔

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ اس روایت کو غیر صحیح قرار دینا غلط اور بے جا تعصب ہے۔



MONTHLY ISHA'AT AlHadith HAZRO



- قرآن و حدیث اور اجماع کی برتری
- دینِ اسلام اور مسلک اہل الحدیث کا دفاع
- سلف صالحین کے متفقہ فہم کا پرچار
- علمی، تحقیقی و معلوماتی مضامین اور انتہائی شائستہ زبان
- صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین اور تمام ائمہ کرام سے محبت
- صحیح و حسن احادیث سے استدلال اور ضعیف و مردود روایات سے کلی اجتناب
- اتباع کتاب و سنت کی طرف والہانہ دعوت
- مخالفین کتاب و سنت اور اہل باطل پر علم و متانت کے ساتھ بہترین و بادلائل رد
- اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کو مدنظر رکھتے ہوئے اشاعت الحدیث
- قرآن و حدیث کے ذریعے سے اتحادِ امت کی طرف دعوت

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ ''الحدیث'' حضرو کا بغور مطالعہ کر کے اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید فرمائیں، ہر مخلصانہ رائے اور مفید مشورے کا قدر وتشکر کی نظر سے خیر مقدم کیا جائے گا۔

ishaatulhadith@gmail.com
ishaatulhadith.com
ishaatulhadith

